معین العقائد و معین الحکمہ مرتبہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری، صدر مدرس مدرسہ حسینیہ، راندیر، ضلع سورت، حجم بترتیب ۹۷ و ۴۰ صفحے۔

تقطیع چھوٹی، کاغذ بہتر، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت بترتیب ۴؎ و ۸؎، موصوف سے مذکورۂ بالا پتہ پر طلب کریں۔

عربی مدارس کے اہم علوم میں علم کلام، فلسفہ، منطق اور فرائض وغیرہ ایسے فنون ہیں جن میں طالبعلموں کو فنی دقتیں پیش آتی ہیں، لائق مصنف نے ان علموں پر، دو میں نئے انداز سے رسالے شائع کرنا شروع کیا ہے، اور مختلف علوم کے مبادی پر وہ کتابیں شائع کر چکے ہیں، اس سلسلہ میں دو رسالے معین العقائد اور معین الحکمہ اس وقت پیش نظر ہیں،

معین العقائد میں مصنف نے مختلف درجوں کے لیے الگ الگ حصے قائم کیے ہیں، پہلے درجہ کے لیے عقائد نسفی کا ترجمہ سہل زبان اور طریقہ ادا میں پیش کیا ہے، دوسرے حصہ میں عقائد کی اوپر کے درجوں کی کتابوں کی تلخیص پیش کی گئی ہے،

معین الحکمہ میں تمام فلسفۂ الحکمہ کے مسائل اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ طلبہ کے لیے ان کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو، عربی مدرسوں میں فلسفہ و حکمت کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس فن کے پس منظر اور عام مبادیات سے عموماً طلبہ کو روشناس کیے بغیر فنی کی کتابیں شروع کرا دی جاتی ہیں، اور وہ غریب ایک نئی وادی میں پہنچکر قیل و قال اور اعتراض و جواب کی الجھنوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، معین الحکمہ اگرچہ ایک مختصر رسالہ ہے، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اس کے تمہیدی بیانات اور ادبیات کو اگر پہلے طلبہ کے ذہن نشین کرا دیا جائے تو اس فن کی تحصیل ان کیلئے آسان ہو جائے، فن کے ضروری مسائل اس رسالہ میں آگئے ہیں، اچھا ہوتا کہ یہ رسالے عربی مدرسوں کے ابتدائی درجوں کے نصاب میں داخل کر دیے جاتے، اور ان کے پڑھانے کے بعد ان فنون کی عربی کتابوں کو پڑھایا جاتا، امید ہے کہ ان رسالوں سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

"س"

جلد ۶۰ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

شذرات

کسی پچھلے مہینہ میں ان صفحون میں ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات میں محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک اٹھائی گئی تھی، اس سے کراچی کے ایک عزیز معاصر کو غلط فہمی ہوئی کہ ہم اس کو اسلامی حکومت کا مترادف سمجھتے ہین، حالانکہ ہماری گفتگو مین ایک ایسے نظام حکومت مین جو غیر اسلامی یا لادینی ہو، مسلمانون کو اپنی شیرازہ بندی کی دعوت دی گئی تھی، ظاہر ہے کہ کسی ایسے نظام حکومت کی تشکیل اسلامی تصورات کی بنیاد پر نہین ہو سکتی اور اس مین اسلامی حدود و قصاص کے قوانین نافذ کئے جا سکتے ہین، اس حکومت کے حدود مین رہنے والے مسلمان اس لحاظ سے کہ وہ یہان کے باشندہ کی حیثیت سے حکومت مین شریک ہین، شہری کہے جائین گے، اور اس لحاظ سے کہ مشترک مجالس قانون ساز کے نافذ کئے ہوئے قوانین کے وہ بھی دوسرون کی طرح پابند ہونگے رعایا سمجھے جائین گے، پھر ہر حکومت کے شہری کے حقوق بھی اس غیر اسلامی یا لادینی حکومت مین ہون گے اور وہ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی شیرازہ بندی کر سکتے ہین اور اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے ایسے قوانین نافذ کر سکتے ہین جو اُن کی جماعت کے لئے مفید ہون اور اُن کے جائز حقوق کا تحفظ ہو سکے اس لئے کسی غیر مسلم حکومت کے شہری و رعایا مسلمان محکمۂ شرعیہ یا محکمۂ قضا کے نام سے اپنی تنظیم کر سکتے ہین، اب جس حد تک بھی وہ اس مین کامیاب ہون،

آج جن اسلامی حکومتون کو ہم اسلامی حکومتین کہتے ہین، اُن کا منشا صرف اس قدر ہو کہ اُن کے چلانے والے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، ورنہ اس لحاظ سے کہ یہ حکومتیں پورے اسلامی نظام کے معیار پر ہین، آج پردۂ زمین پر کوئی اسلامی حکومت نہین ہے، اور نہ اس وقت تک بن سکتی ہے، جب تک اس کے چلانے والے سیرت و کردار کی پاکیزگی و بلندی کی اسلامی تعلیمات سے آراستہ نہ ہون، اور دین، اخلاق تہذیب، معاشرت اور تعلیم یعنی تمدن و زندگی کے سارے اجزا دین کے سانچہ مین ڈھلے ہوئے نہ ہون، اور اسی وقت الذین ان مکنٰھم فی الارض کے موعود ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع اُن کو مل سکتا ہے، اور خلافت راشدہ کے دور مین دنیا نے چند دنون کے لئے جس نظام سیاست کی جھلک دیکھی تھی وہ نظام

نئے سرے سے پیکر وجود مین آسکتا ہو، اور خواہ وہ مسلمان ہون یا نا مسلمان اس کی تجلیون سے آپ متاثر ہو سکتے ہین، بلکہ موجودہ زمانہ مین صحیح نظام حکومت کا نقشہ پیش کر کے عالم کی رہنمائی کا فرض انجام دیا جا سکتا ہو۔ لیکن اُن اہم بنیادی تبدیلیوں کے بغیر محض کسی موجودہ نظام سیاست کو اختیار کر کے اُس کو اسلامی نظام کا نام دیا جائے تو یہ اسلام کے ساتھ بڑی ہی ناانصافی کی بات ہوگی، ہماری موجودہ حکومتین جس خمیر سے تیار ہوئی ہین اور جن ہاتھون مین ہین، اس کو دیکھتے ہوئے امکانی حیثیت سے یہ باور نہین کیا جا سکتا، کہ اُن کو خلافت راشدہ کے اسلامی نظام حکومت مین تبدیل کیا جا سکتا ہو،

⁂

ہندوستان اور پاکستان مین فرقہ وارانہ فسادات کی جو شکلین بھی پیش آئین یا آسکتی ہین، ان کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانون نے ۱۵ اگست کے پہلے اور بعد کی زندگی مین فرق و امتیاز محسوس نہین کیا، غلامی کی دیرینہ عادت سے وہ اب بھی یہی سمجھ رہے ہین، کہ وہ غلام ہین، حالانکہ ۱۵ اگست کے بعد سے تو حکومتین اُنہین کے ہاتھون مین اب ہین، اور وہ طاقت رکھتی ہین، اب پہلے کی طرح قتل و خون اور غارتگری اُن کا کام نہین، بلکہ امن و امان اور رعایا کی رکھوالی اور حفاظت اُن کا فرض منصبی ہے، کاش ہر دو فرقے، اس نکتہ کو سمجھین،

اس سال عید ضحیٰ اور دسہرے کے تہوارون کی تاریخین ایک ساتھ پڑ گئی تھین، ملک کی عام فضا کو دیکھتے ہوئے بڑے خطرات کا تصور قائم تھا، بحمد اللہ وہ اندیشے غلط نکلے، اور پورے ہندوستان مین یہ تہوار امن و امان کے ساتھ منائے گئے، اور معلوم ہوا کہ اگر حکومتین اور اُن کے مقامی عہدہ دار دل سے امن کے خواہان ہون تو اس کا قائم رہنا کچھ زیادہ دشوار نہین ہو، اس وقت مختلف صوبون کی حکومتین امن و امان قائم کرنے مین سرگرم ہین، اگر وہ اسی طرح کام کرتی رہین، اور اچھے شہریون اور سنجیدہ جماعتون نے ان کا ساتھ دیا، تو توقع ہو کہ ایک دن فضا ایسی صاف ہو جائیگی کہ لوگ اپنے وطن مین اپنے اپنے مذہب و ملت پر قائم رہ کر امن و سکون کی گذار سکین گے۔

زبان کے مسئلہ مین کسی صاحب نے لیڈر مین ایک تجویز پیش کی ہو کہ انڈین یونین اس مسئلہ مین عجلت سے کام نہ لے اگر پاکستان کی حکومت ۸۰ فیصدی (؟) غیر مسلم باشندون کے جذبات کا لحاظ نہ کرے اور اردو کے ساتھ ہندی زبان اور رسم خط کو سرکاری زبان کا درجہ نہ دے تو انڈین یونین بھی حق بجانب ہو گی، کہ وہ اپنی صرف ۱۲ فی صدی آبادی کا لحاظ نہ کر کے ہندی زبان اور رسم خط کو سرکاری زبان کا درجہ دیدے،

یہ صحیح ہو کہ پاکستان کی حکومت سے اپنی جگہ یہ مطالبہ درست ہے، اور پاکستان کے قیام میں انڈین یونین

کے مسلمانوں کا جو حصہ دبا ہو، تو جزائے احسان کے طور پر پاکستان کو اپنے فیصلوں کے وقت انڈین یونین کے مسلمانوں کی انڈین یونین میں سیاسی منزلت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے، با اینہمہ یونین کی ذمہ داروں سے یہ بھی دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا پاکستان کو انھوں نے اسی نقطۂ نظر سے قبول کیا تھا کہ یونین کے مسلمانوں کے ساتھ یرغمال کا برتاؤ کیا جائے گا، جو لوگ اس ملک کو اپنا آبائی وطن تصور کریں، ان کے متعلق یہ کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا جائے، اس میں غیر ملکی حکومت کے اپنی اقلیت کے ساتھ برتاؤ سے موازنہ کر لیا جائے، دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت شرافت اور عدل و انصاف کے نام پر دوسری حکومتوں کو صحیح راہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، اور اس میں کامیابی نہ ہو، تو ایک حکومت دوسری حکومت کے ساتھ جو کچھ کر سکتی ہے، اور جو وسائل اختیار کر سکتی ہے اس کو عمل میں لایا جائے، یہ تو کسی طرح مناسب نہیں، کہ یہاں کی اقلیتوں اور پاکستان کی اقلیتوں کو ایک ترازو پر رکھا جائے، اور اسی معیار سے ایک دوسرے کے حقوق کو تول کر ان کی تعیین کیجائے،

صوبۂ متحدہ میں ہندی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جا چکا ہے، اور اس پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے، افسوس کی بات ہے کہ اردو کے مرکز میں اردو کو اس طرح نظر انداز کیا گیا، ہندی اور اردو کو مساوی درجہ کے ساتھ سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کوئی ایسا نہیں ہے، جس کی نظیر موجود نہ ہو، کناڈا، سوئزرلینڈ اور جنوبی افریقہ میں دو زبانوں میں وہاں کا کاروبار جاری ہے، اگر امریکہ اور دوسرے ملکوں کے کانسٹی ٹیوشن کو سامنے رکھ کر یہاں قانون سازی کی جا سکتی ہے تو کیا زبان کے معاملہ میں دوسرے ملکوں کی مثال کو سامنے نہیں رکھا جا سکتا؟ اور اب تو خود ہمارے یہاں مشرقی پنجاب میں ہندی اور گورمکھی دو زبانوں اور رسم خط کو سرکاری درجہ دیا جا چکا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ دلائل کا نہیں جذبات کا ہے، یوپی حکومت کے وزراء اب تک دلائل بھی دینے کی زحمت اٹھاتے ہیں، پالیوال جی فرماتے ہیں کہ اردو صرف شہری حلقہ کی زبان ہے، جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ رہتے ہیں، دیہی آبادی کی زبان نہیں، دوسری طرف اردو کے قدیم محسن شمپورنانند جی کا ارشاد ہے کہ اردو اس صوبہ میں صرف ۱۰ فی صدی آبادی کی زبان ہے، اس کو سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، بہرحال یہ ذمہ دار اپنے بیانوں میں کسی ایک بات پر اتفاق کر لیں، پھر جب موجودہ فساد انگیز ذہنیت کے دور کا خاتمہ ہوگا، و مسائل کو دلائل سے پرکھنے کا دور آئے گا، اس وقت ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر گفتگو کی جا سکے گی، اور شاید اس وقت اردو کو وہ مرتبہ حاصل ہو سکے گا جو اس کو اپنے مرکز میں حاصل رہنا چاہئے۔

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۸)

بہرحال اسرار خودی کے اکثر فلسفیانہ اجزاء تو فلاسفۂ مغرب سے ماخوذ ہیں، اس میں حکمائے اسلام کے خیالات کا پرتو بہت کم پایا جاتا ہے، البتہ اسلامی تصوف میں سے انھوں نے صرف عشق کا نظریہ مولانا روم سے لیا ہے، اور نہایت بلند آہنگی سے اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

روے خود بنمود پیر حق سرشت — کو بحرف پہلوی قرآں نوشت

گفت اے دیوانۂ ارباب عشق — جرعۂ گیر از شراب ناب عشق

ایک حکایت سید مخدوم علی ہجویری کی لکھی ہے، جن کی خدمت میں ایک نوجوان مرو سے آیا اور کہا کہ

گفت محصور صف اعداستم — درمیان سنگہا میناستم

با من آموز اے شہ گردوں مکان — زندگی کردن میان دشمنان

اور اس کے جواب میں انھوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اوس سے خودی اور مظاہر خودی کا اثبات ہوتا

فارغ از اندیشۂ اغیار شو — قوت خوابیدہ بیدار شو

سنگ چون بر خود گمانِ شیشہ کرد — شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

ناتوان خود را اگر رہرو شمرد — نقد جانِ خویش با رہزن سپرد

تا کجا خود را شماری ما و طین — از گلِ خود شعلۂ طور آفرین

با عزیزان سرگران بودن چرا — شکوہ سنجِ دشمنان بودن چرا

راست می گویم عدو ہم یارِ تست — ہستیٔ او رونقِ بازارِ تست

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است — فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است

کشتِ انسان را عدو باشد سحاب — ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

سنگِ رہ آب است اگر ہمت قوی است — سیل را پست و بلند جادہ چیست

مثلِ حیوان خوردن آسودن چہ سود — گر بخود محکم نۂ بودن چہ سود

خویش را چون از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہان برہم کنی

گر فنا خواہی ز خود آزاد شو — گر بقا خواہی بخود آباد شو

چیست مردن از خودی غافل شدن — تو چہ پنداری فراقِ جان و تن

در خودی کن صورتِ یوسف مقام — از اسیری تا شہنشاہی خرام

ان اشعار کے بعد لکھتے ہین کہ اس حکایت سے محض داستان سرائی مقصود نہین، بلکہ خودی کی حقیقت کا اظہار مقصود ہے،

شرح رازِ از داستانہا می کنم — غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران — گفتہ آید در حدیثِ دیگران "

میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کی ایک نصیحت بھی لکھی ہے، اور اس مین مختلف طریقون سے خودی کی تعلیم دی گئی ہے،

ایکہ مثلِ گل ز گل بالیدۂ — تو ہم از بطنِ خودی زائیدۂ

از خودی مگذر بقا انجام باش — قطرۂ می باش و بحر آشام باش

تو کہ از نورِ خودی تابندۂ — گر خودی محکم کنی پایندۂ

ہستی و از نیستی ترسیدۂ — اے سرت گردم غلط فہمیدۂ

چون خبر دارم ز سازِ زندگی — با تو گویم چیست رازِ زندگی

غوطہ در خود صورتِ گوہر زدن — پس ز خلوت گاہِ خود سر بر زدن

زندگی از طوفِ دیگر رستن است — خویش را بیت الحرم دانستن است

لیکن تمام صوفیہ مین ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم کے فیوض و برکات کا نہایت بلند آہنگی کے ساتھ خاص طور پر اعتراف کیا ہے، اور اپنی تمام تصنیفات مین ان کا نام پیر و مرشد کی حیثیت سے لیا ہے، چنانچہ پیامِ مشرق مین فرماتے ہین،

مطرب غزلے، بیتے از مرشدِ روم آور — تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

بیا کہ من ز خمِ پیرِ روم آوردم — مئے سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی

زبورِ عجم مین کہتے ہین :-

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی — برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

بالِ جبریل میں لکھتے ہین :-

علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا — تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسون

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن — اسی کے فیض سے میرے سبو مین ہے جیحون

اس بنا پر شاعرانہ، فلسفیانہ اور متکلمانہ غرض ہر حیثیت سے ہم کو یہ پتہ لگانا چاہئے، کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم سے کیا کیا فیوض و برکات حاصل کئے ہین،

(۱) شاعرانہ حیثیت سے ہندوستان بلکہ ایران مین ڈاکٹر صاحب کے زمانہ مین جس شاعری کا عام طور پر رواج تھا، وہ عاشقانہ شاعری تھی، اور خود ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی تھی، اس کے بعد زمانہ کی ضروریات اور مغربی شاعری کی تقلید مین قومی، سیاسی اور نیچرل نظمون کا رواج ہوا، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی ان اصناف سخن مین ایک حد تک طبع آزمائی کی، لیکن اب تک ہندوستان اور ایران مین فلسفیانہ اور متکلمانہ شاعری کا آغاز نہین ہوا تھا، ایران مین بھی مولانا روم کے زمانہ تک زیادہ تر غزل، قصیدہ اور رزمیہ مثنویون کا رواج تھا، فلسفیانہ اور متکلمانہ مباحث شاعری مین بہت کم آئے تھے، مولانا روم پہلے شخص ہین جنھون نے اپنی مثنوی کو اس قسم کے مباحث و مسائل سے لبریز کر دیا، اور انھون نے ڈاکٹر صاحب کو بھی ہدایت کی، کہ عشق و ہوس اور مداحی اور ثنا گستری کا زمانہ نہین رہا، بلکہ شاعری کو علوم و فنون کے دقیق مسائل سے آشنا کرنا چاہئے، جیسا کہ مثنوی معنوی مین اس قسم کے مسائل مذکور ہین، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس ہدایت کے مطابق ایک علمی اور فلسفیانہ شاعری کی ابتدا کی،

باز برخوانم ز فیض پیر روم
دفتر سربستۂ اسرار علوم

لیکن اس کے ساتھ مولانا روم نے ڈاکٹر صاحب کو یہ ہدایت بھی کی کہ اس شاعری سے خالص فلسفیانہ اور متکلمانہ مباحث کا بیان کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ قوم مین عملی طور پر انقلاب اور بیداری پیدا کرنا مقصود ہو، اور اس کی حیثیت محض شاعری کی نہ ہو، بلکہ ایک انقلاب انگیز پیغام کی ہو،

از نیستان ہمچو نے پیغام دہ — قیس را از قوم حی پیغام دہ
نالہ را انداز نو ایجاد کن — بزم را از ہاے و ہو آباد کن
روح نوے جوید اجسام کہن — کمتر از قم نیست اعجاز سخن
خیز و جان نو بدہ ہر زندہ را — از قم خود زندہ تر کن زندہ را

خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ — جوش سوداے کہن از سر بنہ

اس بنا پر ڈاکٹر صاحب نے اس انقلاب انگیز پیغام اور حیات بخش شاعری کے لئے اگرچہ چند اجزا فلسفۂ مغرب سے بھی لئے تاہم اصل پیغام مولانا روم ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے،

(۲) اس پیغام کے قبول کرنے کے لئے خوش قسمتی سے ڈاکٹر صاحب اور مولانا روم مین طبعی مناسبت بھی موجود تھی، مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہین کہ تصوف کے مقامات مین دو مقام باہم مین متقابل ہین، فنا و بقا، مقام فنا مین سالک پر خضوع، مسکینی اور انکسار کی کیفیت غالب ہوتی ہے، بخلاف اس کے بقا مین سالک کی حالت جلال اور عظمت سے لبریز ہوتی ہے، مولانا پر یہ نسبت زیادہ غالب رہتی تھی، اس لئے ان کے کلام مین جو جلال ادعا، بیباکی، اور بلند آہنگی پائی جاتی ہے، صوفیہ مین سے کسی کے کلام مین نہین پائی جاتی،[1] اور ڈاکٹر صاحب بھی فطرۃً اسی قسم کی پر جوش اور غلغلہ انگیز طبیعت رکھتے تھے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہین،

شرارے جستۂ گیر از درونم
کہ من مانند رومی گرم خونم

اس لئے انھون نے تمام صوفیہ مین مولانا روم کا اثر سب سے زیادہ قبول کیا، خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہین کہ عارف رومی اور علامہ اقبال مین بہت مماثلت پائی جاتی ہے، دونون اعلی درجہ کے شاعر ہین، دونون اسلامی شاعر ہین، دونون کی شاعری حکیمانہ ہے، دونون معقولات کے سمندر کے تیراک ہونے کے باوجود وجدانات کو معقولات پر مرجح سمجھتے ہین، دونون خودی کی نفی کے بجاے خودی کی تقویت چاہتے ہین، دونون کے نزدیک حقیقی خودی اور حقیقی بے خودی مین کوئی تضاد نہین، بلکہ ایک کے بغیر دوسری مہمل اور بے نتیجہ ہے، دونون کا تخیل تقدیر کے متعلق عام مسلمہ تخیل سے الگ ہے، دونون کا خیال ہے، کہ تقدیر مین جزئی طور پر اعمال افراد پہلے ہی سے خدا کی طرف سے معین اور مقدر نہین، بلکہ

---

[1] سوانح مولانا روم ص ۵۵، ۵۶

تقدیر آئین حیات کا نام ہے، دونون ارتقائی مفکر ہین، نہ صرف انسان بلکہ تمام موجودات ادنیٰ سے اعلیٰ منازل کی طرف عروج کر رہے ہین، انسان کے عروج کی کوئی حد نہین، قوتِ آرزو اور جہدِ صالح سے کئی نئی کائناتین انسان پر نہ صرف منکشف ہو سکتی ہین، بلکہ خلق ہو سکتی ہین، دونون قرآن کریم کے آدم کو نوعِ انسان کی معراج کا ایک نصب العینی تخیل سمجھتے ہین، دونون جد و جہد کو زندگی، اور خفتگی کو موت سمجھتے ہین، دونون کے یہان بقا مشروط ہے اسی بقا پر، دونون اپنے سے پیشتر پیدا کردہ افکار سے کما حقہٗ واقف ہین، اور متضاد عناصر کو ایک بلندتر وحدتِ فکر کی سطح پر لانا چاہتے ہین، اس ازلی ادر طبعی مناسبت کی وجہ سے اقبال اپنے آپ کو عارف رومی کا مرید سمجھتا ہے، یہ مرید معمولی تقلیدی مرید نہین کمالِ عقیدت کے ساتھ پیر کے رنگ مین رنگا ہوا مرید ہے[۱]،

افسوس ہے کہ خلیفہ عبد الحکیم نے اس موقع پر اجمال سے کام لیا ہے، ورنہ ضرورت یہ تھی کہ مولانا روم اور ڈاکٹر صاحب دونون کے کلام سے بالمقابلہ شواہد پیش کئے جاتے، تاہم خود ڈاکٹر صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے کون کون سی خاص باتین مولانا روم سے اخذ کی ہین،

۱- ان مین پہلی چیز تو خودی کا تصور ہے، جو ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کی اساس ہے، اور اس پر اُن کے تمام فلسفیانہ خیالات کی بنیاد ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تصور یورپین فلاسفہ بالخصوص نطشے سے ماخوذ ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس تخیل کو مولانا روم سے اخذ کیا ہے چنانچہ جاوید نامہ مین اس فلسفہ کو انھون نے مولانا روم کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے،

روحِ رومی پردہا را بر درید — از پسِ کہپارۂ آمد پدید،
گفتمش موجود و ناموجود چیست؟ — معنی محمود و نامحمود چیست؟
گفت موجود آنکہ می خواہد نمود — آشکارائی تقاضاے وجود

۱؎ رسالۂ اردو اقبال نمبر ص ۸۸، ۸۹،

زندگی خود را بخویش آراستن — بر وجودِ خود شہادت خواستن
انجمن روزِ الست آراستند — بر وجودِ خود شہادت خواستند
زندہ یا مردہ یا جان بلب — از سہ شاہد کن شہادت را طلب

۲- لیکن اس خودی کو اگر بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک شیطانی قوت بن جاتی ہے، جس کا کام تخریب و فساد لوٹ مار، گمراہی و ضلالت اور قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہین ہوتا، تاتاریون نے دنیاے اسلام کو جو تباہ و برباد کیا، وہ اسی مطلق العنان خودی کا نتیجہ تھا، اور آج یورپین قومون مین اسی قسم کی خودی پائی جاتی ہے، اس لئے اس مین اعتدال پیدا کرنے کے لئے اس کو کسی آئین کا پابند بنانا ضروری ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب خود ایک خط مین لکھتے ہین،

"دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتون کو فنا نہین کرتا، بلکہ اُن کے عمل کے لئے حدود معین کرتا ہے، ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام مین شریعت یا قانونِ الٰہی ہے، خودی خواہ مسولینی کی ہو، خواہ ہٹلر کی، قانونِ الٰہی کی پابند ہو جائے، تو مسلمان ہو جاتی ہے، مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لئے پامال کیا، مسلمانون نے اپنے عروج کے زمانہ مین حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا، فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی صورت مین خودی کسی قانون کی پابند نہین، دوسری صورت مین قانونِ الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے، بہرحال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے، اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیون مین محسوس کرنے کا نام طریقت ہے، جب احکامِ الٰہی خودی مین اس حد تک سرایت کر جائین کہ خودی کے پرائیوٹ امیال و عواطف باقی نہ رہین، اور صرف رضاے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے، تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیاے اسلام

نے فنا کہا ہے، بعض نے اوسی کا نام بقار کھا ہے؛[۱]

خودی کو شریعت یا قانونِ الٰہی کے پابند بنانے کے لئے دو باتون کی سخت ضرورت ہے،

۱- ایک تو یہ کہ بنی نوع انسان کے دوسرے افراد کا بھی لحاظ رکھا جائے، اور اُن کے ساتھ اتحاد پیدا کیا جائے، نٹشے نے دنیا کو آقا اور غلام کے دو طبقون مین تقسیم کرکے بنی نوع انسان کے کمزور افراد کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے اس کے فلسفہ کے رو سے اخلاق کا جمال آمیز پہلو یعنی لطف و محبت تواضع و انکسار، رحم و ہمدردی وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے اسی بنا پر اسرارِ خودی کے بعد رموزِ بے خودی لکھ کر اس کی تکمیل کی، اور فرد کا رشتہ ملت کے ساتھ قائم کیا، لیکن تکمیل خودی کا یہ اخلاقی نظریہ انھون نے مولانا روم ہی سے اخذ کیا ہے، چنانچہ مولانا روم نے جاوید نامہ مین خودی کے جو دو مراتب بتائے ہین، ان مین پہلا مرتبہ یہ ہے،

شاہدِ اوّل شعورِ خویشتن

خویش را دیدن بنورِ خویشتن

اسی کا دوسرا نام خودی ہے، لیکن انسان کو صرف اپنے ہی نور کے مشاہدے مین محو و مستغرق نہین ہو جانا چاہئے، بلکہ اپنے ساتھ بنی نوع انسان کے دوسرے افراد کے نور کا بھی مشاہدہ کرنا چاہئے،

شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے

خویش را دیدن بنورِ دیگرے

اور اسی مرتبہ کا نام فلسفۂ بیخودی ہے، اب اپنی خودی کے ساتھ اگر دوسرون کی خودی کو بھی شامل کر لیا جائے، تو اخلاقی حیثیت سے جلال و جمال کے دونون پہلو باہم متحد ہو جاتے ہین، اور جمال و جلال کا جو اتحاد ڈاکٹر صاحب کے کلام مین پایا جاتا ہے وہ مولانا روم ہی کے اسی چشم و ابرو کا اشارہ ہے!

---

[۱] اقبال نامہ ص ۲۰۲، ۲۰۳،

۲- دوسرے یہ کہ انسانی خودی کا رشتہ خداوند تعالیٰ کی ذات سے منقطع نہ ہونے پائے، نٹشے خدا کا منکر ہے، اس لئے اوس نے خودی کا جو نظریہ قائم کیا ہے وہ بالکل مطلق العنان اور بے راہ رو ہے، لیکن مولانا روم نے ڈاکٹر صاحب کو تکمیل خودی کے لئے بتایا،

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق   خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

پیش این نور ار بمانی استوار   حی و قائم چون خدا خود را شمار

۳- خالق و مخلوق اور عبد و معبود مین یہ تعلق صرف عشق و محبت سے پیدا ہو سکتا ہے، مولانا روم کے زمانہ مین چونکہ مسلمانون کی عقلی ترقی درجۂ کمال کو پہنچ گئی تھی، اس لئے لوگ خدا کو عشق کے بجائے عقل سے دیکھتے تھے، با این ہمہ اس زمانہ مین خدا بالکل گم نہین ہوا تھا، بلکہ موجود تھا، البتہ اس سے تعلق پیدا کرنے کا طریقہ عشق کے بجائے عقل کو قرار دیا گیا تھا، صرف صوفیوں کا گروہ ایسا تھا، جو خدا کو عقل کے بجائے عشق کی عینک سے دیکھتا تھا، اور ان مین مولانا روم سب کے پیشرو تھے، ڈاکٹر صاحب کے زمانہ مین عقلی ترقی اس زمانے سے بھی زیادہ ہو گئی تھی، اس زمانہ مین تو خدا کم از کم موجود تھا، لیکن اس زمانہ مین سرے سے موجود ہی نہین، اس زمانہ مین عقل کے ساتھ عشق کا وجود بھی تھا، لیکن اس زمانہ مین صرف عقل ہی عقل ہے عشق کا وجود نہین، اس لئے مولانا روم اور ڈاکٹر صاحب کا زمانہ اس حیثیت سے باہم مشابہت رکھتا ہے، اور دونون ایک ہی قسم کے فتنہ انگیز زمانے مین موجود تھے، اور دونون نے ایک ہی قسم کی بلند آہنگی کے ساتھ اپنے اپنے زمانہ کے عقلی رجحان کی مخالفت کی، اور لوگون کو عشق و محبت کی طرف مائل کیا، اس بنا پر خودی کی تکمیل کے لئے عشق و محبت کا نظریہ اونھون نے ابتدا ہی سے مولانا روم سے لیا، اور آخر تک اس نظریہ پر قائم رہے، چنانچہ ارمغانِ حجاز مین جو قطعات مولانا روم پر لکھے ہین، ان مین صاف صاف تصریح کی ہے، کہ

نئے آن نے نوازے پاکبازے   مرا با عشق و مستی آشنا کرد

مئے روشن ز تاکِ من فرو ریخت   خوشا مردے کہ در دامانم آویخت

نصیب از آتشے دارم کہ اول	سنائی از دل رومی برانگیخت

اگرچہ تمام صوفیہ نے خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ عشق کو قرار دیا تھا، لیکن اُن کے نزدیک اس عشق کا آخری درجہ یہ تھا کہ انسان اپنی خودی کو خدا کی ذات مین بالکل فنا کردے، اور خود اوس کا کوئی وجود باقی نہ رہے، لیکن مولانا روم کے نزدیک انسان اپنی خودی کو خدا کی ذات مین فنا کرنے کے بعد بھی قائم رکھ سکتا ہے، خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہین کہ "رومی انفرادی بقا کا قائل ہے، اور کہتا ہے کہ خدا مین انسان اس طرح محو نہین ہوجاتا، جس طرح کہ قطرہ سمندر مین محو ہوجاتا ہے، بلکہ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ سورج کی روشنی مین چراغ جل رہا ہے، یا جیسے لوہا آگ مین پڑکر آگ ہوجاتا ہے، لیکن باوجود اس کے اس کی انفرادیت باقی رہتی ہے"[1] ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خودی کے لئے یہی نظریہ مناسب تھا، اس لئے انھون نے اوس کو مولانا روم سے اخذ کیا، لیکن خلیفہ عبد الحکیم نے مولانا روم اور ڈاکٹر صاحب کے اشعار سے اس کی تائید نہین کی، اور اسرار خودی مین اس قسم کے دقیق خیالات موجود بھی نہین ہین، لیکن ارمغان حجاز کا یہ قطعہ جو انھون نے مولانا روم کی شان مین لکھا ہے، غالباً اسی نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے،

سراپا درد و سوز آشنائی
وصال او زبان دان جدائی
جمال عشق گیرد از نئے او
نصیبے از جلال کبریائی

اور صوفیہ نے ذات خداوندی میں انفرادی خودی کی محویت کا جو نظریہ قائم کیا تھا، اوس نے انسان کے تمام ایجابی اخلاق مثلاً جرات، شجاعت، عزم و استقلال وغیرہ کو فنا کرکے اس مین سلبی اخلاق مثلاً زہد و قناعت، توکل، گوشہ گیری اور عجز و انکسار پیدا کر دیے تھے، لیکن مولانا روم کے نظریۂ عشق کے رو سے انسان کے ایجابی اخلاق، اور بھی زیادہ مستحکم اور ترقی یافتہ ہوجاتے ہین، اس لئے خدا کی ذات مین محو ہوکر ایک بزدل انتہا درجہ کا بہادر ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیہ مین ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم

[1] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۳۳۲، ۳۳۴،

کے نظریۂ عشق کو اختیار کیا، اور لوگون کو ہدایت کی،

بگیر از ساغرش آن لالہ رنگے	کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دل شیرے ببخشد	بشوید داغ از پشت پلنگے

اس قطعہ مین یہ لطیف اشارہ موجود ہے، کہ مولانا روم کا نظریۂ عشق انسان کو اخلاقی حیثیت سے جلال و جمال دونون کا بہترین مجموعہ بنا سکتا ہے، فقر کا مضمون بھی جو بالواسطہ فلسفۂ خودی ہی سے تعلق رکھتا ہے، اور اس پر ڈاکٹر صاحب نے بہترین اشعار لکھے ہین، مولانا روم سے ماخوذ ہے، چنانچہ ارمغان حجاز کے قطعات مین صاف صاف اس کی تصریح کی ہے،

ز رومی گیر اسرار فقیری	کہ آن فقر است محسود امیری
حذر زان فقر و درویشی کہ از وے	رسیدی بر مقام سربزیری
خودی تا گشت مہجور خدائی	بہ فقر آموخت آداب گدائی
ز چشم مست رومی وام کردم	سرورے از مقام کبریائی

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر صاحب کا فلسفہ کوئی مستقل حیثیت نہین رکھتا، بلکہ انھون نے دوسرون کی خوشہ چینی کرکے ان ہی کے فلسفہ کو شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے، اُن کے فلسفۂ خودی کے تمام اساسی مضامین درحقیقت قرآن مجید سے ماخوذ ہین، اور قرآن مجید مین فضیلت انسان، تسخیر فطرت، عزم و استقلال، جرأت و شجاعت، فتح و نصرت، حمیت وغیرت اور قدرت و اختیار پر بہ کثرت آیتین موجود ہین، اور انہی آیتون نے قرون اولیٰ کے مسلمانون کو خودی یعنی جلال و جمال دونون کا بہترین مجموعہ بنا دیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے یہ تمام مضامین قرآن مجید ہی سے لئے، اس کے بعد انھون نے فلسفہ و تصوف پر نگاہ ڈالی، تو اُن کو دو متضاد فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریے نظر آئے، ایک تو شوپنہار کا قنوطی فلسفہ تھا، جو سراپا قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف اور خودی کے تمام

عناصر کا بیخ کن تھا، اس کے برخلاف نطشے کا فلسفہ تھا، جو اگرچہ تمامتر تقویم خودی پر مبنی تھا، لیکن یہ خودی ایک محدود اور شیطانی خودی تھی، جس کا تعلق خدا اور عام بنی نوع انسان سے نہ تھا، اسی طرح صوفیانہ تعلیمات بھی مختلف تھین، تصوف کی عام کتابین اکثر صوفیہ اور فارسی شاعری کا تمامتر ذخیرہ اشراقی اور افلاطونی فلسفہ سے متاثر تھا، جو زندگی کو ہیچ قرار دیتا تھا، اور صرف سلبی اخلاق کی تعلیم دیتا تھا، لیکن مثنوی مولانا روم مین ان کو جابجا ایسے اشعار، ایسے خیالات، اور ایسے نظریات ملے، جو قرآن مجید کی تعلیمات کے موافق اور فلسفۂ خودی کے مؤید ہین، ڈاکٹر صاحب نے ان تمام فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریات مین شوپنہار، صوفیانہ تعلیمات اور فارسی شاعری کے تمام ذخیرہ کو قرآن مجید کی تعلیمات کے مخالف پایا، اس لئے اُن کو بالکل نظرانداز کر دیا، اسی طرح نطشے کے فلسفہ مین اُن کو خودی کے جو شیطانی عناصر نظر آئے، اُن کو تو انھون نے بالکل چھوڑ دیا، البتہ اصل مسئلہ کو لے کر اس شیطانی خودی کو یزدانی خودی بنا دیا، اور اس مین اُن کو قرآن مجید کے بعد مولانا روم کی مثنوی سے مدد ملی، لیکن اس معاملہ مین انھون نے درجہ بدرجہ ترقی کی، پہلے تو انھون نے اسرار خودی مین خودی کا ایک سادہ اور نامکمل خاکہ قائم کیا، جو زیادہ تر حکماے یورپ بالخصوص نطشے کے خیالات و نظریات کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا، اور اسی خاکہ کو پیش نظر رکھ کر یورپین تنقید نگارون نے یہ راے قائم کی کہ اُن کا فلسفہ تمامتر نطشے کے فلسفہ سے ماخوذ ہے، لیکن اس کے بعد انھون نے اس فلسفہ کے اجزاء و مقدمات مین جو تصرفات اور اضافے کئے، اور اس کو جس شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا، اس نے اُن کے فلسفہ کو نطشے کے فلسفہ اور مولانا روم کے صوفیانہ نظریہ سے بالکل مختلف کر دیا، ان کو منتشر طور پر صرف چند ذرے ملے تھے، لیکن انھی ذرون کو چمکا کر انھون نے آفتاب بنا دیا، انھون نے صرف چند موتی پائے تھے، لیکن انھون نے ان کو پرو کر ایک خوشنما ہار تیار کر دیا، ان کو صرف چند دائرے اور خطوط ہاتھ آئے تھے، لیکن انھی کی مدد سے انھون نے ایک مکمل مرقع تیار کر لیا، جس مین خودی کی تصویر نمایان طور پر نظر آ گئی،

انھون نے بے شبہہ نطشے بلکہ اور بھی بہت سے فلسفیون کا اثر قبول کیا، لیکن اثر پذیری اور نقالی مین زمین آسمان کا فرق ہے، شکسپیر کے متعلق آج یہ طے ہو چکا ہے، کہ اوس کے تمام ڈرامون کا ماخذ پرانی کہانیان تھین، لیکن اس کے باوجود اوس نے ان مین جو آب و رنگ اور روغن بھرا، اور جو دیدہ زیب قالب انھین بخشا وہ اوسے ہمیشہ ایک اوریجنل شاعر کی حیثیت سے مشہور رکھے گا، یہی صورت ڈاکٹر صاحب کی ہے، دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا شخص بھی نیستی سے ہستی یا عدم سے وجود کو پیدا کرنے کا مدعی نہین ہو سکتا، ڈاکٹر صاحب بھی یہ دعوی نہین کر سکتے، البتہ انھون نے رائج الوقت افکار و خیالات کو اپنی قوت متخیلہ کے قالب مین ڈھال کر مسلمان قوم کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ بالکل ایک نئی چیز ہے، ہر مصور خطون اور دائرون ہی سے کام لیتا ہے، لیکن اگر محض اس بنا پر کسی مصور کو نقال نہین کہا جا سکتا تو ڈاکٹر صاحب جیسے مصور افکار کو بھی نقال کہنا صحیح نہ ہو گا[1] غرض شعر مین ڈاکٹر صاحب نے حکمت کے جو موتی پروئے ہین، ان کے متعلق محض یہ کہدینا ناانصافی ہو گی کہ وہ موتی، انھون نے دوسرے جوہریون سے لئے ہین، ہیرا جب تک تراشا نہ جائے، اور موتی جب تک مالا مین پرویا نہ جائے، اور جواہرات جب تک زیور مین جڑے نہ جائین، ان کا جمال معمولی سنگریزون اور خزف پارون سے زیادہ نہین ہوتا، ڈاکٹر صاحب نے شاعری پر جو احسان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مشرق اور مغرب اور ماضی و حال کے وہ جواہر پارے جو نفس انسانی کے آسمان کے تارے ہین، کمال شاعری سے اس طرح تراشے اور پروئے اور جڑے ہین، کہ نوع انسان کے لئے ہمیشہ کیلئے بصیرت افروز ہو گئے ہین،[2]

ڈاکٹر صاحب نے ان جواہر پارون پر بھی اندھا دھند ہاتھ نہین مارا ہے، بلکہ اُن مین تصرفات اور اضافے کئے ہین، اس لئے جہان تک افکار کا تعلق ہے، انھون نے رومی کا کامل تتبع کیا ہے

[1] پیغام حق اقبال نمبر ص ۲۶۰، ۲۶۱ [2] رسالہ اردو، اقبال نمبر ص ۸۳۰، ۸۳۱،

نہ نطشے کا، نہ برگسان کا، اور نہ کارل مارکس کا، نہ لینن کا، اپنے تصورات کا قایل بنتے ہوے اونھون نے رنگین دھاگے اور بعض خاکے ان لوگون سے لئے ہین، لیکن اُن کے مکمل قالب کا نقشہ کسی دوسرے کے نقشے کی ہوبہو نقل نہین ہے، اپنی تعمیر کے لئے انھون نے ان افکار کو سنگ و خشت کی طرح استعمال کیا ہے، ڈاکٹر صاحب ان مفکر شاعرون مین ہین جن کے پاس اپنا ایک خاص زاویۂ نگاہ اور نظریۂ حیات بھی ہوتا ہے، محض افکار کے ادھر اودھر کے اخذ کردہ عناصر سے اس کی توجیہ نہین ہوسکتی ہے[1]

عشق اور عقل کا باہمی تعلق جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی شاعری کا بہت سا حصہ وقف کیا ہے، پیرومی کا خاص مضمون ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون مین نقطۂ مرشد کے الفاظ کو دہرایا نہین، بلکہ قدرتِ افکار سے اس مین بہت دلکش رنگ اپنی طرف سے بھرے ہین[2]

---

[1] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۳۱ [2] ایضاً ص ۸۳۲

تاریخ سندھ

ہندستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور ان کی پہلی حکومت یہین قائم ہوئی تھی، اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان کے حکمران رہے، آج بھی سندھ کے در و دیوار سے اُن کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اردو مین اسلامی سندھ کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ نہین تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ مین یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کی ایک ہزار سال کی سیاسی و علمی تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کرچکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت ۶ روپے،

مرتبہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ "منیجر"

فتاویٰ عالمگیری

اور

اس کے چند اور مولفین

از

جناب حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

دسمبر سنہ ۴۶ئ کے معارف مین فتاوی عالمگیری پر جو مضمون لکھا گیا تھا، اس مین اس وقت جو معلومات تلاش سے مل سکے انھین پیش کر دیا گیا تھا[1] اس نو دس مہینہ مین بعض نئے معلومات حاصل ہوگئے ہین جنھین پیش کیا جاتا ہے،

فتاوی کی تالیف کا طریقہ فتاوی عالمگیری کے جمع و ترتیب کا طریقہ یہ تھا کہ فقہی ابواب کے لحاظ سے اس کو کئی حصون مین تقسیم کر دیا گیا تھا، اور ہر حصہ کے لئے ایک الگ صدر، اور صدر کے لئے چند معاونین کی ایک جماعت مقرر تھی، ہر صدر اپنے اپنے حصہ کا ذمہ دار تھا، اخذ و استنباط مین اگر کوئی غلطی ہو جاتی تھی، تو ملا نظام جو اس مجلس کے صدر اعلیٰ تھے، اس شعبہ کے صدر سے باز پرس کرتے تھے، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، ذیل مین اُن لوگون کے نام درج کئے جاتے ہین جن پر اس کے کسی حصہ کی تکمیل کی ذمہ داری تھی،

ا۔ حصہ اول کے جمع و ترتیب کا کام شیخ جلال الدین محمد جونپوری کے سپرد تھا، مشاہیر

---

[1] دسمبر سنہ ۴۶ئ کے معارف مین ان کا مفصل تذکرہ آچکا ہے،

جونپور مین ہے :-

"از تصنیفات و تالیفاتش فتاوی عالمگیریہ حصہ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمودہ (ص ۱۲۲)

یہ نہین معلوم ہوسکا کہ کتنے علماء معاون کی حیثیت سے اُن کے شریک کار تھے،

۳ - ایک حصہ کی تکمیل شیخ وجیہ الدین گوپاموی کے ذمہ تھی، اور ان کی امداد و اعانت کے لئے[۱] دس عالم اور مقرر تھے، لیکن اُن کے نامون کی تصریح نہین مل سکی، مراۃ العالم مین صرف اتنا ہے کہ

(شیخ وجیہ الدین) در ترتیب و تالیف ربعے فتاوی عالمگیری شاہی مامور شدہ دہ کس دیگر از فضلا بمدد و اعانت او مامور شدند"[۵۱]

اگراسی پر دوسرے حصون کو بھی قیاس کیا جائے تو مولفین فتاوی کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ جائے گی،

۴ - ایک حصہ کی تالیف شیخ محمد حسن جونپوری کے زیر اہتمام تھی، مراۃ العالم مین ہے،

"و ربعے از فتاوی عالمگیر شاہی باہتمام او (محمد حسین) زینت اتمام یافت (ص ۳)

اُن کے معاونین کی تعداد اور ان کے نام کا علم نہین ہوسکا،

۵ - انفاس العارفین[۵۲] کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حصہ کی تکمیل ملا حامد جونپوری کے زیر صدارت بھی ہوئی تھی،

"(ملا نظام) ملا حامد را عتاب کرد کہ این جلد باعتماد شما گذاشتہ بودم و تو پیش بادشاہ مرا خفیف گردید، (ص ۴۴)

شاہ عبدالرحیم صاحب آپکے معاونین مین تھے، اور شرکار کی تعداد اور نام کی تفصیل نہین

۵۱ علمی نسخہ دار المصنفین ص ۳۰۰ ۵۲ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد کے حالات مین یہ کتاب لکھی ہے،

معلوم ہوسکی،

تلاش و تفحص سے انہی چار ادمیون کے متعلق یہ تصریح مل سکی ہے، کہ کسی حصہ کے جمع و ترتیب کی ذمہ داری اُن کے سپرد تھی، لیکن یقینی طور سے نہین کہا جاسکتا کہ یہ کام چار ہی حصون مین منقسم تھا، اور یہی چار ادمی اس کے ذمہ دار تھے، یا اس سے زیادہ،

اکتوبر ۴۸ء کے معارف مین برادر مکرم مولانا ابو ظفر صاحب ندوی نے تاریخ بہار مین بحوالہ مراۃ العالم جن نامون کی فہرست دی ہے، ان مین سے دو نامون یعنی علی اکبر سعد اللہ خانی اور محمد اکرم لاہوری کے متعلق مراۃ العالم یا کسی دوسری کتاب مین کوئی تصریح نہین مل سکی کہ وہ کس حصہ کے صدر بنائے گئے تھے، بلکہ محمد اکرم لاہوری تو جامعین فتاوی مین بھی نہین ہین، محمد اکرم نام کے ایک دوسرے عالم جو بہار کے رہنے والے تھے، البتہ اس مین شریک تھے، لیکن انھین بھی کوئی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہین تھی،

فتاوی کی تدوین مین عالمگیر کی علمی شرکت

عالمگیر نے فتاوی کی تدوین کے لئے خزانہ شاہی سے صرف ایک کثیر رقم کی منظوری اور علماء کی ایک جماعت کے تقرر ہی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ ذاتی طور سے بھی وہ اس سے کافی دلچسپی لیتا تھا، اور روزانہ اس کے دو چار صفحے خود علمی و تنقیدی نگاہ سے دیکھتا تھا، اور اس کی فرد گذاشتون اور خامیون پر ملا نظام کو متوجہ کرتا رہتا تھا،

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین مین اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب جو جامعین فتاوی مین تھے اُن کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے، شاہ صاحب کہتے ہین کہ

"والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ مین فتاوی عالمگیری پر نظر ثانی کر رہا تھا، ایک جگہ عبارت پیچیدہ تھی، سمجھ مین نہین آئی، مین نے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا، تو معلوم ہوا کہ اس باب کے جامع نے دو عبارتون کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، جس کی وجہ سے

"مسئلہ پیچیدہ ہوگیا ہے، مین نے (غصہ مین) اس کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ

من لم یتفقہ فی الدین قد حنث — جس نے دین مین تفقہ حاصل نہین کیا اُس

فیہ ھذا غلط وصوابہ ھکذا — نے دین مین کجروی کی، یہ غلط ہے اور صحیح یون ہے

خود ملا نظام دو چار صفحات روزانہ بادشاہ کو یکجا کر سناتے تھے، ایک دن جب

معمول انھون نے ان صفحات کو عالمگیر کے سامنے پڑھا، تو جلدی مین اس حاشیہ کی عبارت

کو متن سے ملا دیا، جس سے مطلب بالکل خبط ہوگیا، بادشاہ نے ٹوکا اور پوچھا کہ یہ

عبارت کیسی ہے؟ ملا نظام اس وقت کوئی جواب نہین دیسکے، اور یہ کہکر ٹال دیا

کہ مین نے اس عبارت کا مطالعہ نہین کیا تھا جواب کل دونگا"

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ پر عالمگیر کی گہری نظر تھی، اور فتاویٰ کی تدوین و تصحیح

مین علمی حیثیت سے بھی وہ شریک تھا،

فتاویٰ عالمگیری کا مترجم

گذشتہ مضمون مین فتاویٰ کے مترجم کے متعلق مراۃ العالم کے اس بیان

کی کہ اس کے مترجم ملا عبد اللہ ابن عبد الحکیم سیالکوٹی ہین، تردید کی گئی تھی، اور قیاس و قرائن سے یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی گئی تھی، کہ اس کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہین، بلکہ عبد اللہ چلپی ترکی ہین،

اب خود مراۃ العالم ہی مین ایک عبارت مل گئی ہے، جس سے ہمارے اُس قیاس کی تائید اور اس کے اپنے بیان

کی تردید ہوتی ہے، عبارت یہ ہے:-

"چلپی عبد اللہ رومی...... در زمان فردوس آشیانی از روم بہندوستان درزی

فقرا بسر می برد،......... و درین عصر (عالمگیری) بہ بر ذریانہ سرفرازی یافتہ

از تکالیف نوکری معاف و بنوشتن ترجمہ فتاویٰ عالمگیری شاہی مامور است

(ص ۳۰۰ قلمی نسخہ)

بظاہر نام کے اشتراک کے علاوہ اس غلطی کی دوسری کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی،

فتاویٰ کا دوسرا فارسی ترجمہ

فتاویٰ عالمگیری کے پہلے فارسی ترجمہ کے وجود کا جو عالمگیر کے زمانہ

مین کیا گیا تھا، ہمین تو کوئی علم نہین ہے، البتہ اس کے ایک حصہ کتاب الجنایات کا ایک دوسرا

فارسی ترجمہ مع مختصر شرح موجود ہے، جسے مولانا نجم الدین ثاقب قاضی القضاۃ (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے

لارڈ سر جان شور (۱۷۹۳ء تا ۱۷۹۸ء) کے مشورہ سے کیا تھا، ترجمہ کلکتہ اور لکھنؤ کے مطبعون مین کئی بار

چھپ بھی چکا ہے، لیکن اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ نظر سے نہین گذرا، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ مین

ترجمہ فتاویٰ عالمگیری" اور خدا بخش خان لائبریری پٹنہ مین کتاب الحدود والسرقہ" کے نام سے

موجود ہین، پٹنہ مین جو نسخہ ہے، اس کے متعلق فہرست کے مرتب نے لکھا ہے، کہ اس پر کتاب اور

مصنف کا نام درج نہین ہے، البتہ اس کی پشت پر کسی نے کتاب الحدود لکھ دیا ہے، لیکن مقابلہ

سے یہ ترجمہ مولانا نجم الدین کے ترجمہ سے حرف بحرف مل جاتا ہے، اس لئے گمان ہوتا ہے کہ یہ

وہی ترجمہ ہے:-

کتاب الحدود حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے:-

۱- باب اول در بیان تفسیر حد موافق شرع و بیان رکن حد و بیان شرط حد و بیان حکم حد،

۲- باب دوم در بیان زنا فصل در بیان چگونگی حدہا و اقامت حدہا،

۳- باب سوم، در بیان وطی کہ موجب حد است،

۴- باب چہارم در شہادت بر زنا و رجوع از ان شہادت،

۵- باب پنجم در حد شراب،

۶- باب ششم در بیان قذف فصل در بیان تعزیر،

کتاب السرقہ کے ابواب کی یہ تفصیل ہے،

۱- باب اول دربیان سرقہ،

۲- باب دوم، دربیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ می شود، درین، ودربیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ نمی شود، درآن فصل دربیان حرز، فصل دربیان چگونگی دست بریدن وثابت گردانیدن آن

۳- باب سوم، دربیان چیزے کہ پیدا کند دزد آن چیز را در مال دزدی،

۴- باب چہارم دربیان حکم قطاع الطریق،

اب ان مولفین کے حالات لکھے جاتے ہین، جن کا ذکر گذشتہ مضمون مین نہین ہوسکا تھا،

شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی

نام ونسب | شاہ عبدالرحیم صاحب ۱۰۵۴ھ مین دلی مین پیدا ہوئے، اُن کے والد شیخ وجیہ الدین نے اُن کا نام عبدالرحیم رکھا، لیکن خواص مین ابوالفیض[۱] کے نام سے بھی مشہور تھے،

شاہ صاحب وادھیال کی جانب سے فاروقی اور ننہال کی طرف سے سید ہین، جدی سلسلۂ نسب یہ ہے:-

"عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین ابن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاون بن قاضی[۲] قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک[۳] بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح

۱؎ بعض تذکرہ نویسون نے ابوالفیض ان کی کنیت لکھی ہے، لیکن اس کی حقیقت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے، کہ مین نے اپنے بعض دوستون کو سنا کہ عالم بالا مین حضرت کا نام ابوالفیض ہے، چنانچہ میں نے والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو وہ مسکرائے اور فرمایا، کہ ہمچنین است ونام تو ابوالفیاض است، (انفاس العارفین ص ۳۳) ۲؎ ان بزرگون کے نام مین قاضی اور کہین مفتی کی نسبت اُن کے علم وفضل کو ظاہر کرتی ہے ۳؎ ملک کا لفظ کسی امتیازی ہی شان کا شارح ہے، شاہ ولی اللہ صاحب خود لکھتے ہین کہ ملک درزمان قدیم لفظ تعظیم است مثل خان درزمان ما (انفاس ص ۱۵۰)

ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان ابن ہامان بن ہمایون[۱] بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

مشہور ہے کہ ننہالی سلسلۂ نسب حضرت علیؓ تک منتہی ہوتا ہے، لیکن بہت تلاش وجستجو کے بعد بھی مکمل شجرہ نہ مل سکا، نامکمل شجرہ یہ ہے،

"والدۂ شاہ عبدالرحیم صاحب بنت شیخ رفیع الدین محمد بن قطب عالم بن عبدالعزیز ابن حسن بن طاہر[۲] (انفاس العارفین ص ۱۶۸)

شاہ صاحب کی والدہ کے سلسلۂ نسب مین عام تذکرہ نویسون نے غالباً ذیل کی روایت کو اپنا ماخذ بنایا ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین مین لکھا ہے، کہ ایک روز والد مکرم شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوے فرمایا، کہ

"بحضرت عمر شجرۂ ما می رسد وبحضرت علی از جہۃ امہات نسل داخل میشود (انفاس ص ۳۰)

لیکن از جہۃ امہات[۳] کی مزید تشریح کی ضرورت ہے،

۱؎ ہمایون جرجیس وغیرہ سے عجمیت کا اظہار ہوتا ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ کی تین ہی چار پشت کے بعد یہ خاندان عرب سے عجم مین آگیا تھا ۲؎ شیخ طاہر، شیخ حسن، شیخ عبدالعزیز اور شیخ قطب عالم کا تذکرہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار مین بھی کیا ہے، لیکن شیخ طاہر کے اوپر کے سلسلۂ نسب کا کوئی تذکرہ نہین کیا ہے (اخبار الاخیار ص ۱۸۳ و ص ۲۴۶) ۳؎ امہات کا لفظ جمع ہے، اور اس کو جمع ہی پر محمول کرنا چاہئے، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنی والدہ کے ساتھ اپنی دادی زوجۂ شیخ معظم اور زوجۂ شیخ محمود کو بھی شامل کرلیا ہے کیونکہ یہ دونوں خواتین سونی پت کے سادات گھرانے سے تھین (واللہ اعلم بالصواب)

شاہ صاحب کے اجداد کی ہندوستان میں آمد اور ان کے کارنامے

شاہ صاحب کے ننہالی خانوادہ کے متعلق تو غالباً کسی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ کب ہندوستان آیا، لیکن دادھیال کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس خانوادہ کے سب سے پہلے شخص جو ہندوستان آئے، وہ شیخ شمس الدین مفتی[1] ہیں، وہ یہاں آکر پہلے دہلی کے قریب رہتک میں مقیم ہوئے، پھر وہیں متوطن ہوگئے، اس زمانہ میں حکومت کا دستور تھا کہ شہر میں جو صاحب کمال اور ذی وجاہت آدمی ہوتا، بغیر کسی انتخاب اور تقرر کے وہاں کا عہدۂ قضا و احتساب اس کے سپرد ہوجاتا تھا، گو وہ قاضی اور محتسب کے نام سے موسوم نہیں ہوتا تھا، شیخ شمس الدین چونکہ باوجاہت اور صاحب علم و فضل تھے، اس لئے عام قاعدہ کے مطابق وہاں کے قاضی اور محتسب ہوئے[2]،

شیخ شمس الدین کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ کمال الدین اور شیخ کمال الدین کے صاحبزادے شیخ قطب الدین، اور شیخ قطب الدین کے صاحبزادے شیخ عبد الملک یکے بعد دیگرے عہدۂ قضا و احتساب سنبھالتے رہے، شیخ عبد الملک کے زمانہ میں عہدۂ قضا نے قانونی شکل اختیار کرلی، اور حکومت کی طرف سے قضاۃ کا تقرر ہونے لگا، اور چونکہ یہ خاندان پہلے سے اس عہدہ پر سرفراز تھا

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب اُن کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"این بزرگ مردی عالم وعابد بودست واول کسے کہ از نژادِ قریش دران بلدہ (رہتک) آمد وبسبب وے شعائر اسلام ظہور نمود وطغیان کفر منطفی شد" اول کسیکہ از نژاد قریش"

سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں پہلے سے مسلمان موجود تھے لیکن ابھی تک کوئی ممتاز خاندان یہاں آباد نہیں ہوا تھا، اُن کے دوسرے بھائی شیخ بہاء الدین تھے، جن سے مولانا فضل حق خیرآبادی وغیرہ کا خاندان ہے، [2] شیخ شمس الدین کی آمد کا ماخذ کے اعتبار سے صحیح طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر علماے انساب کے قیاسی اصولوں کو مشعل راہ بنایا جائے تو کچھ تقریب پیدا کیجاسکتی ہے، شاہ عبد الرحیم صاحب کے اوپر بارھویں پشت میں شیخ شمس الدین پڑتے ہیں، اہل انساب کے اس حساب کے مطابق کہ تین پشت پر ایک سو برس گذر جاتے ہیں، بارہ پشتوں کا زمانہ چار سو برس قرار دیا جائیگا شاہ عبد الرحیم صاحب کی پیدائش گیارھویں صدی کے وسط میں ہوئی ہے، اگر ان کی پیدایش کے زمانہ سے چار سو برس نکال دیئے جائیں تو شیخ شمس الدین کی آمد کا زمانہ ساتویں صدی کے اوائل یا وسط کو قرار دیا جاسکتا ہے،

اس لئے اسی خاندان سے قاضی عبد الملک[1] کا انتخاب عمل میں آیا، اور انھوں نے اپنے اجداد کی وراثت سمجھکر اُسے قبول کرلیا، قاضی عبد الملک کے بعد اُن کے صاحبزادے قاضی کبیر الدین عرف قاضی بڈھ اور اُن کے بعد قاضی قاسم اور قاضی قوام الدین عرف قاضی قادن وغیرہ اس عہدہ پر مامور ہوئے[2]،

عہدۂ قضا کے بجائے پیشہ سپہ گری

قاضی قادن کے فرزند شیخ محمود نے اپنے لئے اس عہدہ کو پسند نہیں کیا اور اس کے بجائے حکومت کے دوسرے کاموں خاص طور پر سپہ گری وغیرہ کو اختیار کیا، لیکن اس تبدیلی سے خاندان کی عزت و وجاہت میں کوئی فرق نہیں آنے پایا،

شیخ محمود سے پہلے یہ خاندان علم اور تصوف میں ممتاز تھا، انھوں نے تصوف کے ساتھ علم کے بجائے عمل کو جگہ دی، اور اس سے عمل کے مظاہر جرأت، ہمت اور شجاعت و دلیری کا صدور ہونے لگا[3]،

قاضی محمود کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ احمد[4] بھی باپ ہی کے نقش قدم پر چلے، اُن کے بعد شیخ منصور[5] بھی شجاعت و بہادری میں ضرب المثل تھے، اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ معظم یعنی شاہ عبد الرحیم صاحب کے دادا نے بھی فوجی خدمات کے سلسلہ میں بڑا نام پیدا کیا، شاہ ولی اللہ صاحب اُن کی شجاعت و بہادری کے متعلق لکھتے ہیں،

---

[1] اُن کے بعد سے قاضی کا لفظ ان کے اہلِ خاندان کے نام کا جزو بن گیا۔ [2] انفاس العارفین ص ۱۵۵ [3] قاضی محمود کی شادی سونی پت کے سادات گھرانے میں ہوئی تھی اس سیدہ کے بطن سے دو صاحبزادے احمد اور اعظم تھے، [4] شیخ احمد کے دو لڑکے شیخ منصور اور شیخ حسین تھے، شیخ احمد کی شادی شیخ عبد الغنی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، شیخ عبد الغنی اپنے وقت کے بڑے برگزیدہ لوگوں میں تھے، اکبری دربار سے ان کا تعلق تھا، لیکن جب اکبر نے کفر و الحاد کا اظہار کیا، تو وہ دربار سے منقطع ہوگئے۔ [5] شیخ منصور کی دو شادی ہوئی تھی، ایک شادی سے شیخ معظم اور شیخ اعظم تھے، اور دوسری سے شیخ عبد الغفور و شیخ اسمٰعیل تھے،

"شیخ معظم[1] بدرجۂ قصوی از شجاعت وغیرہ متصف بود، و وقائع عجیبہ وی درین باب بیش از حد احصا است" (انفاس ص ۱۶۱)

شیخ معظم کی شادی بھی سونی پت کے ایک ممتاز گھرانے میں سید نور انجان[2] کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس نیک بخت خاتون کے بطن سے تین صاحبزادے شیخ جمال، شیخ فیروز، اور شیخ وجیہ الدین شاہ عبد الرحیم کے والد پیدا ہوئے[3]،

شیخ وجیہ الدین | شیخ وجیہ الدین بھی اپنی خاندانی خصوصیات کے مالک تھے، اُن کی شجاعت و بہادری کے قصے بھی عام طور پر مشہور ہیں، اور زیادہ تر لوگ اُن سے اسی حیثیت سے واقف ہیں، لیکن وہ اس کے علاوہ صلاح و تقوی میں بھی سرآمد روزگار تھے، تواضع و خاکساری جو شجاعت و بہادری کے ساتھ بہت کم جمع ہوتی ہے، وہ اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھی،

تلاوتِ قرآن | تلاوت قرآن خاص معمول تھا، سفر میں ہوں خواہ حضر میں، روزانہ دو پارے بڑے ہی اہتمام اور سوز و گداز کے ساتھ پڑھتے تھے،

ورع و تقوی | ورع و تقوی کا دامن بھی کسی حالت میں نہیں چھوٹا، عام طور پر جب کسی مہم پر فوجیں جاتی ہیں، تو راستہ میں ہر قسم کی بے عنوانیاں شروع کر دیتی ہیں، یہ بھی عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے، اور بارہا محاذ جنگ پر بھی بھیجے گئے، لیکن اُن سے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، حتی کہ کسی کے کھیت میں گھوڑے کو منہ تک مارنے نہیں دیا، بعض اوقات جب کسی فوجی کو کسی کا نقصان کرتے ہوئے دیکھتے، اُدھر جاتا، تو فوج کی عام شاہ راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتے،

---

[1] انفاس العارفین میں ہے: "موضع تنکوہ پور کہ تعلق شیخ معظم بود،" (ص ۱۶۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب جائداد بھی تھے [2] انفاس میں ہے، "کہ سید نور انجان کہ سیدے عالی نسب بود گرامیش (الخ) بحلیۂ فضل و علم متصف بودند،" (ص ۱۶۲) [3] انفاس ۱۶۲،

ایک مرتبہ فوج کو رسد نہیں پہنچ سکی، اس لئے عام فوجیوں نے لوٹ مار شروع کر دی، شیخ وجیہ الدین پر دو تین فاقے گذر گئے، لیکن انھوں نے کسی غیر مشروع چیز کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا، دو روز کے بعد اتفاق سے تھوڑا سا چاکسین پڑا ہوا مل گیا، آپ نے اسی کو بھگا کر سد رمق کا کام لیا،

معاملات میں صفائی | لین دین اور خرید و فروخت کے علاوہ عام معاملات میں بھی شیخ وجیہ الدین بہت محتاط اور امیر و غریب کے ساتھ یکسان برتاو کرتے تھے، شاہ عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں:-

"معاملہ کہ والدِ من علیہ الرحمہ (شیخ وجیہ الدین) با خدم و حشم و علف فروش وغیر آن می کردند بوجہے از رفق و انصاف بود کہ از متقیان روزگار کم دیدہ میشود،" (انفاس ص ۱۶۳)

استغنا و قناعت | قناعت و استغنا آپ کی خاص خصوصیت تھی، چنانچہ شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے عالمگیر نے جو فوج بنگال بھیجی تھی، اس میں شاہ وجیہ الدین بھی تھے، انھوں نے اس جنگ میں بڑا کام دکھایا، اور اُن کی وجہ سے بڑی کامیابی ہوئی، عالمگیر نے اس کے صلہ میں اُن کے منصب اور مرتبہ میں اضافہ کرنا چاہا، مگر آپ کی قناعت پسند طبیعت نے اسے[1] پسند نہیں کیا،

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کی فوجی ملازمت صرف دنیا طلبی کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس میں دینی خدمت اور جہاد کی روح بھی موجود تھی، اس جذبۂ جہاد کا پتہ آپ کے واقعۂ شہادت سے بھی چلتا ہے،

واقعۂ شہادت | شاہ عبد الرحیم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ والد صاحب حسب معمول ایک روز تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ میں معمول سے زیادہ دیر ہوئی اس سے مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ کی روح تو نہیں پرواز کر گئی، لیکن دیر کے بعد جب آپ نے سجدہ سے سر اُٹھایا، تو میں نے پوچھا آج آپ نے سجدہ میں اتنی دیر کیوں کی؟ فرمایا، آج میں اللہ تعالیٰ سے بڑی آہ و زاری کے ساتھ یہ دعا کرتا تھا، کہ مجھے شہادت نصیب فرما، اچھا کچھ مجھ پر دعا کی مقبولیت کا انکشاف ہو گیا ہے، اور یہ بھی

---

[1] انفاس ص ۱۶۵،

اشارہ مل گیا ہے کہ میری جائے شہادت دکن میں ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے ہی آپ شاہی ملازمت سے دست بردار ہو چکے تھے، اور فوجی کاموں سے نفرت پیدا ہو چکی تھی، دکن جانے کے لئے سامانِ سفر موجود نہ تھا، مگر آپ نے فوراً تمام سامان درست کیا، سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا خریدا، اور اس ارادہ کے ساتھ دکن روانہ ہوئے، کہ سیواجی کا جو دکن میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں کر رہا ہے، ..... قلع قمع کرونگا، لیکن جب برہانپور (گجرات) پہنچے تو اشارۂ غیبی ہوا کہ اپنی جائے شہادت پیچھے چھوڑ آئے، اس لئے آپ وہاں سے پلٹ پڑے، قصبہ ہنڈیا میں کچھ تاجر بھی جو دلی جا رہے تھے، آپکے ساتھ ہو گئے اثنائے سفر میں ایک دن ایک سو سالہ بڑھیا جو ڈاکوؤں کی جاسوس تھی، افتان وخیزان آپکے پاس آئی، آپ نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے، اُس نے کہا دلی جانا چاہتی ہوں، آپنے اُسے بھی قافلہ میں شامل کر لیا، اور وہ چلنے روز قافلہ کے ساتھ رہی، آپ کے ملازم سے کچھ پیسے روزانہ لے کر خرچ کرتی رہی، جب یہ قافلہ سرائے برنیا پہنچا، تو اس پیرزالہ نے اپنے ڈاکو ساتھیوں کو اطلاع کر دی، تھوڑی دیر کے بعد ڈاکوؤں کی جماعت سرائے میں پہنچی، آپ اُس وقت تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے، دو تین ڈاکوؤں نے آپ کے سامنے آکر پوچھا، وجیہ الدین کس کا نام ہے، جب معلوم ہوا کہ آپ کا نام ہے تو یہ کہکر آگے بڑھ گئے کہ ہمیں تم سے کوئی کام نہیں ہے، کیونکہ تمھارے پاس مال ومتاع بھی نہیں ہے، اور پھر ہماری ایک جماعت نے تمھارا نمک بھی کھایا ہے (اس کا) یہ بڑھیا کے پیسہ لینے کی طرف اشارہ ہے) ہمیں اس قافلہ میں فلاں فلاں تجار سے کام ہے، اور اُنھی کا مال واسباب ہمیں لوٹنا ہے' ڈاکوؤں نے اگرچہ آپسے کوئی تعرض نہیں کیا، لیکن آپ نے رفقائے سفر کا ساتھ چھوڑنا پسند نہیں کیا، اور اُن کی مدافعت کے لئے تیار ہو گئے، اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی، آپ نے بڑی پامردی سے ڈاکوؤں سے مقابلہ کیا، لیکن گروہ کا مقابلہ آسان نہ تھا، آپ کے بدن پر بیس بائیس گہرے

زخم آئے تھے، جس سے آپ کا جسم بالکل چور ہو چکا تھا، کہ اسی حالت میں ایک شقی نے گردن پر ایک کاری ضرب لگائی، اور آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا، اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، شہادت کے سنہ وتاریخ کی کوئی تصریح نہیں مل سکی،

اولاد آپ کی شادی شیخ رفیع الدین محمد[1] کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اُن کے بطن سے تین صاحبزادے شیخ عبدالحکیم، شیخ ابوالرضا محمد، اور شاہ عبدالرحیم پیدا ہوئے، اور تینوں صاحب علم وفضل اور صاحب رشد وہدایت ہوئے، ان میں شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات پیش کئے جاتے ہیں،

شاہ عبدالرحیم صاحب کا اجمالی تعارف شاہ عبدالرحیم صاحب نے علم وفضل، ہمت وجرأت اور استغنا وقناعت اپنے اسلاف سے بطور وراثت پائی تھی، شاہ صاحب کا دادیہالی، اور ننہالی دونوں خاندان جیسا کہ

[1] شیخ رفیع الدین کا خاندان ملتان کا رہنے والا تھا، اُن کے اجداد میں شیخ طاہر تعلیم کے لئے بہار گئے، تکمیل تعلیم کے بعد قاضی بدھ حقانی (بہار کے قاضی) نے اپنی صاحبزادی سے اُن کی شادی کر دی، اس سلسلہ سے وہ کچھ روز بہار ہی میں رہے، پھر اپنے اہل وعیال کے ساتھ جونپور آئے، اور وہیں متوطن ہو گئے، اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ حسن بھی کچھ روز جونپور ہی میں رہے، لیکن ۹۹۹ھ یا ۱۰۰۹ھ میں دہلی چلے آئے، تصوف میں ایک کتاب مفتاح الفیض آپ کی یادگار ہے (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۳۷) اُن کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز صاحب شکر بار اپنے وقت کے بڑے مرتاض بزرگوں میں تھے، ۸۹۹ھ میں پیدا ہوئے، ۹۷۵ھ میں وفات پائی، محدث دہلوی لکھتے ہیں، "اور ادر تواضع وحلم وصبر ورضا وتسلیم وشفقت بر خلق واعانت فقرا نظیر نبود، در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلۂ ارشاد ومشیخت بر پا بود (اخبار الاخیار ص ۲۹۶) شیخ عبدالعزیز وحدۃ وجود کے قائل تھے، کئی کتابیں بھی اُن کی یادگار ہیں، وحدۃ وجود میں رسالہ عینیہ اور تصوف میں رسالہ عزیزیہ اور آداب السلوک، شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے شیخ قطب عالم یعنی شاہ عبدالرحیم کے پرنانا بھی اپنے وقت کے اتقیا میں تھے، محدث دہلوی لکھتے ہیں، "قطب عالم عالم وفاضل وصاحب اخلاق حمیدہ وصفات پسندیدہ قدم صدق واستقامت بر سجادۂ پدر نہادہ اوقات بطاعت وعبادت معمور دارد (اخبار الاخیار ص ۲۹۶)

لکھا جاچکا ہے، ہمیشہ صاحبِ عزت و وجاہت رہا، اور اس کے اکثر و بیشتر افراد فضل و کمال، صلاح و تقویٰ کا نمونہ تھے، اور غالباً یہ فیض تھا دودمان فاروقی اور مرتضوی سے نسبت و تعلق ہوگا،

شاہ صاحب نے اپنے اسلاف سے علم و فضل، رشد و ہدایت اور صلاح و تقویٰ کا جو خزانہ بطور وراثت پایا تھا، اس کی انھون نے پوری نگہداشت کی، اور اسے ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھا بلکہ اس اصل سرمایہ مین کچھ بیش بہا اضافہ بھی کیا، آیندہ صفحات مین ان کے اسی کارنامے کی تفصیل بیان کیجائے گی،

تعلیم و تربیت اور ماحول

شاہ صاحب نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گھر کو علم اور دین کے چرچے سے معمور پایا، مدتون تک اللہ و رسول کے ذکر کے علاوہ کان مین اور کوئی آواز نہین پڑی، خاندان کے بزرگون کی موجودگی کی وجہ سے خاندان کا ماحول بھی جادۂ اسلاف سے ہٹا نہین تھا، آپکے والدین خود شب زندہ دار

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۱) شیخ قطب عالم کے صاحبزادے شیخ رفیع الدین محمد شاہ عبدالرحیم کے نانا ہین، یہ خواجہ باقی باللہ کے ارشد خلفاء مین سے تھے، خواجہ باقی باللہ کو شیخ رفیع الدین سے اتنا شدید تعلق تھا، کہ لوگ اُن کو خواجہ کا محبوب کہتے تھے، اُن پر بھی وحدتِ وجود کا بڑا غلبہ تھا، آپ کی دو شادیان ہوئی تھین، پہلی شادی کا کوئی علم نہین، دوسری شیخ محمد اعظم پوری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، انہی کے بطن سے شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ پیدا ہوئین، آپ کی اس شادی مین خود حضرت خواجہ باقی باللہ اور بہت سے صوفیہ شریک تھے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "خواجہ (باقی باللہ) لاچار شدند و اعظم پور رفتند، صوفیہ آن ناحیہ چون مقدم خواجہ شنیدند، ہمہ جمع آمدند و در نواحی صد کروہ کم کسی باشد از صوفیہ کہ دران صحبت حاضر نشد، مجلس عجیب کہ ہرگز مثل آن مسموع نشدہ" (انفاس ص ۱۰۳) شیخ رفیع الدین نے ایک دن گھر کا تمام سامان جمع کرکے اپنی تمام اولاد مین تقسیم کر دیا، جب چھوٹی صاحبزادی یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ کی باری آئی، تو انھون نے اُن کو چند اوراق جن مین کچھ اوراد و وظائف اور اپنے پیرون کا شجرہ تھا دیا، صاحبزادی کی والدہ نے کہا کہ ابھی لڑکی کی شادی نہین ہوئی، سامان شادی دینا چاہئے یہ اوراق دینے سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا، کہ یہ ہمارے بزرگون کی اصلی میراث ہے، اسے مین اس کو دے رہا ہون، انشاء اللہ اس کے بطن سے ایک لڑکا ہوگا جو ہماری معنوی میراث کا مالک ہوگا، جب شاہ عبدالرحیم صاحب بڑے ہوئے تو ان کی نانی نے وہ اوراق اُن کے حوالہ کر دیئے، اور وہ واقعی اس معنوی میراث کے مالک ہوئے (انفاس)

اور تہجد گذار تھے، اس لئے آپ بچپن ہی سے اُن کی عبادت اور تہجد و اذکار و اشغال کو دیکھتے، اور ان مین شریک ہوتے تھے، اسی ماحول مین آپ کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی اور اسی گہوارۂ احسان و تصوف مین آپ کی روحانیت پروان چڑھی،

ابتدائی مکتبی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، جب سن شعور کا آغاز ہوا تو عربی شروع کرائی گئی، عربی کی ابتدائی کتابین اپنے بڑے بھائی شیخ ابو الرضا محمد[1] سے پڑھین، دس سال کی عمر مین متوسطات کی تکمیل کرلی خود فرماتے ہین :-

"رسائل صغار تا شرح عقائد و حاشیہ خیالی بخدمت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا گذرانیدم"

اس کے بعد میرزاہد ہروی[2] کی خدمت مین جو اکبرآباد مین عالمگیر کی طرف سے محتسب تھے، پہنچے، اور بقیہ کتابین اُن سے پڑھین،

استاد کی شفقت

شاہ عبدالرحیم صاحب میرزاہد کے عزیز ترین تلامذہ مین تھے، میرزا اُن کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے ان سے اس قدر محبت کرتے تھے، کہ جس روز یہ مطالعہ کرکے نہین آتے تھے اس روز بھی ایک دو سطرین پڑھا دیتے، کہ ناغہ نہ ہونے پائے، خود فرماتے ہین،

"وایشان با من التفات بسیاری کردند، بحدی کہ می گفتم کہ امروز مطالعہ نہ کردہ ام

[1] انفاس ص ۵، نیز القول الجلی، شیخ ابو الرضا اپنے زمانہ کے بڑے صاحبِ حال اور صاحبِ کرامت بزرگ ہوئے ہین، شاہ عبدالرحیم صاحب اور اُن کے خانوادہ کی روحانی تربیت مین اُن کا بڑا ہاتھ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ علمی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین مین ان کا حال بہت مفصل لکھا ہے[2] اس وقت کے مشہور اساتذہ مین تھے، اور یونانی فلسفہ و منطق مین ان کی حیثیت امام کی سمجھی جاتی تھی، مآثر الکرام مین ان کا تذکرہ موجود ہے،

می گفتند یک دو سطر خوانید کہ ناغہ نشود، (انفاس ص ۳۲)

استاذ اور شاگرد مین غایت تعلق کی وجہ سے ایک طرح کی مساوات اور بے تکلفی ہوگئی تھی، میرزاہد کے اس مساویانہ برتاؤ سے جو اپنے وقت کے ارسطو اور افلاطون سمجھے جاتے تھے، لوگون کو سخت تعجب ہوتا تھا،[۱]

ایک روز عالمگیر نے میرزاہد کو کسی ضرورت سے بلا بھیجا، وہ جانے کا قصد کر ہی رہے تھے، کہ شاہ عبدالرحیم صاحب پہنچ گئے، انھون نے مکان کا دروازہ بند کر دیا، اور کہا کہ جب تک میرا فلان کام نہ ہو جائے گا، آپ کو نہ جانے دون گا، میرزا صاحب نے کہا اسوقت پراگندہ خاطر ہون، بادشاہ کے پاس سے واپس ہو کر اس کام کو انجام دون گا، لیکن شاگرد نے پھر اصرار کیا، آخر کار وہ ٹھہر گئے، اور اس کام کو انجام دینے کے بعد دربار مین گئے،[۲]

جودت طبع اور قوت مطالعہ شاہ صاحب لڑکپن ہی سے نہایت ذہین اور ذکی تھے، جودت طبع اور قوت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ اُن کے اساتذہ اور ہم سبق اُن کے نئے نئے سوالات اور اعتراضات سے گھبرا جاتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بڑے بھائی شیخ ابو رضا سے خیالی پڑھ رہے تھے، اثنائے درس مین کوئی اعتراض کیا، شیخ نے جواب دیا، لیکن انھین تسکین نہین ہوئی، انھون نے دوبارہ اعتراض کیا، اور استاد و شاگرد مین بحث و مباحثہ اتنا طول کھینچا کہ استاد ناخوش ہو گئے، اور انھون نے اُن سے پڑھنا چھوڑ دیا،[۳]

شرح مُلا مین عطف کے بیان مین ایک عبارت دقیق ہے جس کے حل کرنے مین اکثر فضلا اٹک جاتے ہین، مطالعہ کے دوران مین اُن کے دل مین ایک اعتراض پیدا ہوا، صبح کو انھون نے اسے اپنے ہم سبق شیخ حامد سے بیان کیا، انھون نے کہا کہ میرے ذہن مین بھی یہی اعتراض آیا تھا، شاید توارد ہو گیا ہے دوسرے

---

[۱] انفاس ص ۳۲ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ص ۱۵،

روز اس اعتراض کو حل کیا، اور اس عبارت پر ایک دوسرا اعتراض پیدا کیا، اسی طرح کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا،[۱]

اگرچہ تعلیم کی تکمیل میرزاہد کی خدمت مین کی تھی، لیکن یہ تحصیل تحصیل حاصل تھی، اس لئے کہ اکثر کتاب کے شروع کا حصہ میرزاہد سے پڑھتے تھے، اور آخر کے حصہ کا خود درس دیتے تھے، اُن کے الفاظ یہ ہین،

"اگرچہ اتمام تحصیل بخدمت میرزاہد کردم، اما گویا تحصیل حاصل می شد، بسا می بود کہ از اول کتاب می خواندم و از آخر درس می گفتم"[۲] (انفاس ۱۶)

یہ تو صاف پتہ نہین چلتا کہ آپ نے حدیث و فقہ اور تفسیر کس سے پڑھی، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ شیخ ابو الرضا ہی سے پڑھی ہو گی، اس لئے کہ اُن کے دوسرے استاذ میرزاہد ہروی ہین، جو اس کوچہ سے بالکل نابلد تھے، اور تیسرے کسی کے سامنے انھون نے زانوے تلمذ تہ نہین کیا، اور حقیقۃً ان علوم کی تکمیل مین تعلیم و تلمذ سے زیادہ اُن کی فطری مناسبت اور بزرگون کی صحبت کا اثر تھا،

درس و تدریس شاہ صاحب نے تکمیل تعلیم کے بعد ایک مدرسہ[۳] قائم کیا، جس مین انھون نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا تھا، اُن کے درس مین فقہ و تصوف، کلام و فلسفہ کے علاوہ قال اللہ و قال الرسول کی آواز بھی، جو ہندوستان مین ابھی بہت عام نہین ہوئی تھی، سنائی دیتی تھی، شاہ ولی اللہ صاحب کو قرآن و حدیث کی وہ روشنی جس کو انھون نے اتنا پھیلایا، کہ سارا ہندوستان منور ہو گیا، سب سے پہلے اپنے والد شاہ عبدالرحیم ہی کے درس سے ملی تھی،

آپ کی دی ہوئی کئی سندین آپکے مجموعہ مکتوبات[۴] مین موجود ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ

---

[۱] انفاس ص ۱۵ [۲] یہ اس شخص کے متعلق کہہ رہے ہین، جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور مسلم معقولی تھا [۳] اس مدرسہ کا نام آپ کے بعد مدرسہ رحیمیہ پڑا [۴] انفاس رحیمیہ کے نام سے آپکے چھوٹے صاحبزادے شاہ اہل اللہ صاحب نے آپکے مکاتیب کو جمع کیا تھا، جو مطبع مجتبائی مین ۱۹۱۵ء مین چھپ گیا ہے، اس مجموعہ مین آپ کی دی ہوئی کئی سندین بھی نقل ہین،

چیزون کی اجازت آپ خاص طور سے دیتے تھے، تفسیر حدیث اور تصوف ایک سند مین فرماتے ہین

اجزته لدرس التفسیر والحدیث،

دوسری سند مین فرماتے ہین :-

وتعلم منی علم التفسیر والحدیث والتصوف،

آپ کے علم و فضل کے بیان مین ہم اس کی اور تفصیل کرین گے، آپکے تلامذہ اور متوسلین کی فہرست بہت لمبی ہے، اس لئے ہم دونون کی فہرست آگے چل کر ایک ہی جگہ دین گے،

روحانی تربیت | علم ظاہر کے ساتھ ہی ساتھ گھر کے ماحول مین ان کی باطنی تربیت بھی شروع ہو چکی تھی، اور غیر محسوس طور پر اُن کی روحانیت فروغ پا رہی تھی، شاہ صاحب کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ احسان اور تصوف سے ان کو فطری لگاؤ تھا، جس کے آثار بچپن ہی سے نمایان ہونے لگے تھے، خود بیان فرماتے ہین، کہ میرے ماموں شیخ عبد الحئی اپنے لڑکون کی حالت دیکھکر فرمایا کرتے تھے کہ

"ترسیدم کہ سیر اسلاف ما از عقب ما منقطع گردد"

لیکن ایک روز مجھے بڑے اہتمام سے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو بیحد مسرور ہوئے، اور فرمایا کہ

"حالا معلوم شد کہ حامل آن سرور خاندان ما بود و است اگر در اولاد پسر نیست چہ باک در اعقاب دختری ہست (انفاس ص۷)

اُن کے علاوہ دوسرے بزرگون نے بھی اُن کے صلاح و رشد کو دیکھکر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بچہ اس راہ مین کسی ممتاز شخصیت کا مالک ہوگا، شاہ صاحب کے مرشد حافظ سید عبد اللہ صاحب نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا، کہ جب تم چھوٹے تھے، اور لڑکون کے ساتھ لہو و لعب مین مشغول رہتے تھے، اس وقت بھی

میری طبیعت تمھاری طرف مائل تھی، اور مین تمھارے لئے یہ دعا کیا کرتا تھا کہ

بارے خدایا این طفل را از اولیا گردان (انفاس ص۱۱)

بارہ برس کی عمر مین آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو خواب مین دیکھا، اس کے بعد سے آپکے روحانی ذوق مین ایک غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا، اور ذکر و اذکار مین پہلے سے زیادہ دلبستگی پیدا ہو گئی،

بیعت کا قصد | یون تو اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر آپنے احسان و تصوف کی بہت سی منزلین طے کر لی تھین، لیکن اس مین پختگی اور دوام کے لئے کسی ہاتھ مین ہاتھ دینے کی ضرورت تھی، اس خواب کے بعد آپنے بیعت کا قصد کیا، لیکن ابھی اس کی نوبت نہین آنے پائی تھی کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبند یا شیخ عبد العزیز شکر بار کو خواب مین دیکھا، کہ وہ فرما رہے ہین،

"اے فرزند ارادت بکسے مدہ تا آنکہ حضرت خواجہ ترا قبول نہ فرمایند"

شاہ صاحب صبح کو حضرت خواجہ خرد (حضرت باقی باللہ کے صاحبزادے) کی خدمت مین حاضر ہوئے اور خواب کی تعبیر پوچھی، اور تعبیر ملنے سے پہلے ہی انھون نے یہ بھی کہا کہ شہر مین اس لقب (خواجہ) سے آپکے علاوہ کوئی مشہور نہین ہے، غالبًا یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے، اس لئے اپنی خدمت مین قبول فرمالیجئے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس خواب مین اشارہ میری طرف نہین ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، انشاء اللہ تم کو زیارت نصیب ہوگی، چنانچہ کچھ دنون کے بعد یہ سعادت بھی نصیب ہوئی،

کچھ روز کے بعد پھر خواجہ خرد کی خدمت مین حاضر ہو کر دوبارہ بیعت کی درخواست کی، انھون نے ازراہ تواضع یہ عذر کیا کہ مین اتباع سنت مین متساہل ہون، اور یہ نہین چاہتا کہ تمھارا قدم جادۂ شریعت سے ذرا بھی الگ ہو،

بیعت کا مشورہ | شاہ صاحب نے کہا کہ پھر آپ ہی مشورہ دیجئے، کہ مین کس سے بیعت ہو جاؤن، خواجہ خرد نے فرمایا کہ اگر سید آدم بنوری کے خلفاء مین کوئی مل جائے تو اس سے بہتر کوئی نہین ہے، شاہ صاحب نے

حافظ سید عبد اللہ کا نام لیا، خواجہ صاحب نے تائید فرمائی، چنانچہ ان کی خدمت مین حاضر ہو کر اُن سے بیعت ہوئے، فرماتے ہین :-

"باوجود آنکہ طریق اخفار وخمول بر ایشان غالب بود، در اوّل مرۃ بیعت قبول نمودند" (انفاس ص ۷)

حافظ صاحب اُن کو بیحد عزیز رکھتے تھے، کبھی کوئی خدمت نہین لیتے تھے، اگر وہ کبھی ارادہ بھی کرتے تو حافظ صاحب ٹال دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ شاہ صاحب خدمت کی غرض سے حاضر ہوئے مرشد نے تھوڑی سی خدمت لے کر فرمایا کہ

"این خطرہ (خدمت) را بخاطر خود راہ ندہید، کہ جمیع حقوق صحبت چہ ظاہری وچہ باطنی ہمہ عفو کردم (انفاس ص ۱۲)

اس درمیان مین آپ کی آمد ورفت خواجہ خرد کے پاس بھی ہوتی رہی، اور ان سے بھی استفادہ اور صحبت کا سلسلہ جاری رہا، اگرچہ شاہ صاحب ان سے باقاعدہ بیعت نہین تھے، لیکن اُن کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا، خواجہ صاحب کی حیثیت تقریباً مرشد کی تھی، مگر انھون نے شاہ صاحب سے ہمیشہ عزیزانہ برتاؤ رکھا، ایک مرتبہ شاہ عبد الرحیم سے خواجہ صاحب کی مجلس مین کسی میخوار سے بحث ہو گئی، شاہ صاحب ناخوش ہو کر چلے آئے، اور ارادہ کیا، کہ اب خواجہ کی مجلس مین نہ جاؤن گا، دو تین روز کے بعد خواجہ خرد خود ان کے مکان پر آئے، اور بہت ہی لطف ومحبت سے ناخوشی دور کی،[1]

خلیفہ ابو القاسم حافظ صاحب کی وفات کے بعد آپ کو کسی دوسرے مرشد کی تلاش ہوئی، کسی نے خلیفہ ابو القاسم اکبر آبادی کا ذکر کیا، شاہ صاحب اکبر آباد اُن کی خدمت مین حاضر ہوئے، شیخ نے اُن کی بڑی پذیرائی کی، اور بہت شفقت اور عنایت سے پیش آئے، اُن کی تربیت مین خاص توجہ کی،[2]

[1] انفاس ص ۱۰، [2] انفاس

شاہ صاحب فرماتے ہین کہ

"تا آن کہ بعض قدیمان بر من حسد می بردند" (انفاس ص ۰۰)

حضرت خلیفہ کو اس قدر تعلق خاطر تھا، کہ جب شاہ صاحب کو بیعت وارشاد کی اجازت دی تو ایک بڑی دعوت کی جس مین بہت سے خواص وعوام شریک ہوئے اور اس مجمع کے سامنے حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب کے سر پر دستار ارشاد وخلافت باندھی،

شاہ عبد الرحیم کو بھی مرشد سے بڑی محبت تھی، خود فرماتے ہین، کہ حضرت خلیفہ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ درویشان شہر را زیارت کنید، لیکن مین اس سے اس لئے پس وپیش کرتا تھا، کہ مرشد سے تعلق کی یکسوئی مین فرق نہ آجائے،

ایک دن حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ سید عظمت اللہ (جو چشتیہ سلسلہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے) کی خدمت مین جاؤ، ان کو حسب معمول اس مین تامل ہوا، تو آپ نے خادم سے کہا کہ اُن کو سید صاحب کی خدمت مین لے جاؤ، چنانچہ آپ خادم کے ہمراہ سید صاحب کی خدمت مین گئے، وہ زنانخانہ مین صاحب فراش تھے، اس لئے پہلے تو انھون نے معذرت کر دی، لیکن جب حضرت خلیفہ کی نسبت کا خیال آیا تو خادم سے چارپائی اٹھوا کر باہر تشریف لائے، اور شاہ صاحب سے نام ونسب پوچھا، انھون نے بتایا، مگر شیخ عبد العزیز شکر بار کی نسبت کا اظہار نہین کیا، مگر باتون باتون مین جب سید صاحب کو اس نسبت کا علم ہو گیا تو وہ فوراً چارپائی سے نیچے اُتر آئے، بیحد تواضع وشفقت فرمائی، اُن کے سر پر عمامہ باندھا، اور کچھ نقد اور کچھ تبرکات پیش کرکے فرمایا، یہ تبرکات شیخ عبد العزیز شکر بار نے میرے دادا کے حوالہ کئے تھے، جسے آج میں تمھارے سپرد کرتا ہون،

شاہ صاحب یہ تبرکات لے کر حضرت خلیفہ کی خدمت مین آئے، اور اُن کے سامنے رکھدیئے،

انھون نے فرمایا کہ

"نقد اشارت است جمعیتِ ظاہر و عمامہ اشارت بہ اجازت و جمعیتِ باطن درین

ہر دو امر شریک نتوان شد" (انفاس ص ۲۸)

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبد الرحیم صاحب کا بیان ہے کہ معاشی پراگندگی کا سوال اُن کی زندگی مین سرے سے پیدا ہی نہین ہوا، اور نہ جمعیت باطن کی اس خوشخبری کے بعد انھین معاد ی حیات کے لئے کبھی کوئی دشواری اٹھانی پڑی، (ولی اللہ نمبر ص ۱۸۶)

تلامذہ اور متوسلین شاہ صاحب کے تلامذہ اور متوسلین کی کوئی تفصیل تذکرون مین موجود نہین ہے، اس لئے صحیح تعداد تو نہین بتائی جا سکتی، لیکن اُن کے مکتوبات اور حالات کے ضمن مین جن لوگون کے نام مل گئے ہین، وہ درج ذیل ہین،

(۱) شاہ ولی اللہ، (۲) شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے جنھون نے اُن کے مکتوبات کو انفاس رحیمیہ کے نام سے جمع کیا ہے،

(۳) شیخ محمد[1] (۴) شیخ معظم، (۵) دلدار بیگ، (۶) شیخ زین العابدین[2]، (۷) شیخ عبد اللہ جیو شیخ ابو القاسم کے صاحبزادے (۸) شیخ عبد الوہاب (۹) خواجہ احمد (۱۰) شیخ عبید اللہ، (۱۱) حشمت الدین (۱۲) فیض اللہ، (۱۳) حسام الحق یا حسام الدین یہ اسمار انفاس رحیمیہ سے لئے گئے ہین (۱۴) مولوی نذر محمد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مین مشہور تھے، (۱۵) شاہ گل، یہ نام شاہ عبد العزیز صاحب کے ملفوظات سے لئے گئے ہین (۱۶) شیخ محمد فاضل، (۱۷) شیخ عبد اللہ چلپی[3] مترجم فتاوی عالمگیری (۱۸) مرزا علی خوافی

---

[1] ان کے نام کئی خطوط ہین [2] اُن کے نام بھی متعدد خطوط ہین [3] شاہ صاحب نے اُ ... کا بڑا شہرہ سنا تھا ایک دن اُن سے ملنے گئے، مگر مل کر کچھ خوش نہین ہوئے، ایک روز کسی مجلس مین شاہ صاحب کے اُن سے پھر ملاقات ہوگئی، عبد اللہ چلپی نے کوئی دعا پڑھی اور اعراب مین کچھ غلطی کی، شاہ صاحب نے انھین ٹوکا اس طرح

(۱۹) شیخ محمد غوث پھلتی، یہ نام انفاس العارفین سے لئے گئے ہین، اُن کے علاوہ آپ کے متوسلین مین دو خاتونون کا نام بھی ملتا ہے، (۲۰) ام عبید اللہ انفاس رحیمیہ مین اُن کے نام ایک خط موجود ہے (۲۱) بی بی شریفہ خانم شیخ عبد العزیز رح نے اُن کے بارے مین لکھا ہے، کہ از مستفیضان جد شریف بود صاحب توجہ و کشف، (ص ۱۱۹)

طبابت اور ذریعۂ معاش شاہ صاحب کے خاندان مین امراض روحانی کے علاج کے ساتھ ساتھ جسمانی امراض کے معالجہ کا بھی سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا تھا، خود شاہ صاحب نے اس کی تکمیل کی تھی، اور اس مین مہارت بہم پہنچائی تھی، اُن کی مہارتِ فن کے بہت سے واقعات مشہور ہین،

ایک مرتبہ بارہہ کے کسی دیہات مین گئے ہوئے تھے، وہان اُن کے سامنے کسی مریض کا قارورہ لایا گیا، انھون نے دیکھ کر نسخہ تجویز کر دیا، اس وقت ایک ہندو طبیب موجود تھا، اُس نے کہا کہ آپ نے مرض کی تشخیص اچھی طرح کر لی ہے یا نہین ؟ شاہ صاحب مسکرائے، اور فرمایا، یہ عورت کا قارورہ ہے اسے فلان فلان بیماری ہے، اور اس کے یہ اسباب ہین، اس طبیب نے پھر آپ سے پوچھا کہ یہ کس کتاب مین ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ

"این طب نیست فراستِ صادقۂ محمدیان است (انفاس ص ۵۹)

اُن کی مہارت فن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین،

"در طب حدس ایشان بغایت رسا و سلیم بود (انفاس ۸۶)

شاہ صاحب کے بعد بھی یہ فن اُن کے خاندان مین علمی حیثیت سے باقی رہا، مگر عملی حیثیت سے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا سلسلہ ختم کر دیا، شاہ عبد العزیز صاحب کے ملفوظات مین ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۰) سے دونون مین کچھ مناظرانہ شکل پیدا ہو گئی، لیکن آخر مین عبد اللہ چلپی نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور شاہ صاحب سے بیعت ہو گئے (انفاس العارفین ص ۵۴)

حکمت ہم در خاندان ما معمول بود، چنانچہ جدّ بزرگوار و عم فقیر (غالباً شاہ اہل اللہ صاحب)

دوائی کردند، والد ماجد بندہ موقوف ساختہ، (ص ۷۲)

لیکن یہ تصریح نہین مل سکی کہ شاہ عبدالرحیم صاحب یا اُن کے اجداد نے طبابت کا پیشہ ذریعۂ معاش کے لئے اختیار کیا تھا، یا صرف خدمتِ خلق کے لیے یا دونون شکلین تھین، "دوائی کردند" اور "موقوف ساختہ" وغیرہ الفاظ سے دونون صورتین نکل سکتی ہین، مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے، کہ اس پیشہ کو شاہ صاحب یا اُن کے اجداد نے ذریعۂ معاش نہین بنایا تھا،

وفات فرخ سیر کے عہد مین بروز چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ ۷۷ برس کی عمر مین وفات پائی، اور مقام مہندیون جہان اس خانوادہ کے دوسرے گوہر شب چراغ پوشیدہ ہین، آپ بھی مدفون ہوئے، (باقی)

---

[1] ان کے اجداد مین مفتی شمس الدین سے قاضی محمود تک غالباً عہدۂ قضا ہی ذریعۂ معاش رہا، اس کے بعد فوجی ملازمت شروع ہوئی، اور غالباً عہدۂ قضا کی جگہ اس نے لے لی، شاہ صاحب کے دادا شیخ معظم شاہی ملازمت کے ساتھ ساتھ ایک بڑی جائداد کے بھی مالک تھے، شیخ وجیہ الدین یعنی شاہ صاحب کے والد بھی عالمگیر کی فوج مین ملازم تھے، اس لئے ان مین کسی کو طبابت کو ذریعۂ معاش بنانے کی ضرورت پیش نہین آئی، شاہ عبدالرحیم صاحب نے البتہ نہ کوئی ملازمت کی، اور نہ شاہی دربار اور امراء سے کوئی مدد لی، اس لئے وہ طبابت کو ذریعۂ معاش بنا سکتے تھے، مگر اُن کے حالات کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ صلحاء کے طریقے کے مطابق انھون نے بھی قناعت و توکل ہی کی زندگی بسر کی، اور مستقل طور سے کوئی ذریعۂ معاش اختیار نہین کیا، لیکن مرشد کی دعا کے مطابق انھین جمعیت ظاہر کی دولت ہمیشہ نصیب رہی،

شاہ صاحب کے محلہ مین ایک بزرگ خواجہ ہاشم رہتے تھے، انھون نے ایک دن شاہ صاحب سے بطور امتحان کہا کہ مین ایک ورد جانتا ہون جس کے پڑھنے سے آدمی متمول ہو جاتا ہے آپ نے ان کے جواب مین فرمایا،

"خدائے تعالیٰ مرا بواسطۂ والدمین قدر ضرورۃ می رساند، دیگر احتیاج ندارم (انفاس ص ۸۴)

جابر بن حیّان

(دنیائے اسلام کا نامور کیمیادان)

از

از مولوی سید وحید احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

مسلمانون نے اپنے دورِ عروج مین دوسرے علوم کی طرح کیمیا (کیمسٹری) کی طرف بھی توجہ کی، اُن سے پہلے اس کی حیثیت شعبدہ بازی سے زیادہ نہ تھی، انھون نے اس کو ایک حقیقی اور کارآمد فن بنا دیا، اور اس مین قابلِ قدر تحقیقات و اکتشافات کئے، اور بہت سی قلمی یادگارین چھوڑین، ابوبکر محمد بن زکریا رازی، ذوالنون مصری، ابن وحشیہ زخمیی، خالد بن یزید اور جابر بن حیان وغیرہ بہت سے علماء نے کیمیا کی طرف توجہ کی، ان مین جابر بن حیان زیادہ ممتاز ہین، انھون نے اس فن مین بہت سے اکتشافات کئے، اور کتابین لکھین، اور ان کی تصانیف کے مختلف زبانون مین تراجم ہوئے، جن کے ذریعہ یورپ مین اس فن کی اشاعت ہوئی،

جابر کو کیمیا مین وہی مرتبہ حاصل ہے، جو منطق مین ارسطو کو، جابر وہ پہلا شخص ہے، جس نے علم کیمیا کے قواعد و قانون مرتب کئے، اس سے پہلے بھی بعض مسلمانون مثلاً خالد بن یزید[1]، اور امام

---

[1] خالد بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان، بڑا فصیح و بلیغ مقرر، بلند پایہ شاعر اور ادیب تھا، سب سے اول اسی نے طب نے اور نجوم وغیرہ کی کتابون کو دوسری زبانون سے عربی مین

جعفر صادقؒ وغیرہ کو اس علم سے شغف تھا، انھون نے اس علم کی خدمت کی، مگر جابر کے کارنامون
نے اس کو اس علم کا صدر نشین بنا دیا، جابر بن حیان سے پہلے یہ علم نامکمل اور غیر مرتب تھا، جابر پہلا
شخص ہے جس نے اس علم کو مرتب شکل مین پیش کیا، یہان جابر کو سب سے پرانا اور سب سے مشہور
کیمیائی سمجھا ہے۔[۳]

فرانس کا مشہور مستشرق پروفیسر برٹیلو (Prof. M. Berthelot)
جس نے جابر کی بہت سی کتابون کو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، اپنی کتاب تاریخ الکیمیا فی القرون
الوسطیٰ مین لکھتا ہے:۔

"جابر بن حیان کو کیمیا مین وہی مرتبہ حاصل ہے، جو ارسطو کو منطق مین"

اس طرح ایک دوسرے مستشرق راجر بیکن (Roger Bacon) جابر کو فن کیمیا
مین استاذ الاساتذہ گردانتے ہین۔[۴]

حاجی خلیفہ چلپی کشف الظنون مین لکھتے ہین:۔

اوّل من اشتہر ھذا العلم — اس علم کیمیا مین جابر بن حیان صوفی
عند جابر بن حیان الصوفی — خالد کا شاگرد سب سے پہلا شخص ہے جس نے

(بقیہ حاشیہ ص) ترجمہ کیا تھا، ابن ندیم نے اس کی بہت سی کتابون کا نام گنایا ہے (ابن ندیم ص ۴۹۹) ۲؎ امام جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی ابن ابی طالب، یہ جابر بن حیان کے استاذ تھے، اور ان کو کیمیا سے بڑا لگاؤ تھا، (ابن ندیم ص ۴۹۹) ۳؎ تمدن عرب ص ۴۳۶ (مترجمہ سید علی بلگرامی) طبع اول در مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء
۴؎ شرح حال و مقام زکریائی رازی ص ۵۵

من تلامذۃ خالدؒ — شہرت حاصل کی،

ابن خلدون جابر کو امام المدونین مانتے ہین، جیسا کہ ان کا قول ہے،

وامام المدونین فیہا جابر — یعنی اس علم کو مرتب کرنے مین جابر کو
بن حیان حتی انہم یخصونہا بہ — امام کا درجہ حاصل ہے، یہان تک
فیسمونہا علم جابر — لوگ علم کیمیا کو علم جابر کے نام سے پکارتے ہین

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۵)

یہان یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ چلپی اور بعض دوسرے تذکرہ نویسون نے جابر کو خالد
کا شاگرد بتایا ہے، جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہین ہے، صاحب کشف الظنون نے خود ایک دوسری
جگہ جابر کا سنہ وفات ۱۶۰ھ بتایا ہے جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہین، لیکن اگر اس کو صحیح بھی تسلیم
کر لیا جائے، تو بھی خالد اور جابر سے کوئی تعلق نہین پیدا کیا جا سکتا، کیونکہ خالد نے ۸۵ھ مین
انتقال کیا، جو بقول صاحب کشف الظنون جابر کی پیدائش کا سال ہے، یا جابر اس وقت
مشکل سے پانچ برس کا رہا ہوگا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عمر مین کیمیا جیسے علم کو حاصل کیا جا سکے،
اس لئے خالد سے جابر کے تلمذ کی روایت صحیح نہین ہے، درحقیقت جابر حضرت امام جعفر صادق
کا شاگرد تھا، جیسا کہ دوسرے تمام تذکرہ نویسون ابن ندیمؒ اور ابن خلکانؒ وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے،

جابر بن حیان کی شخصیت کی تعیین — جابر کی شخصیت نہایت معروف ہو اور یورپ کے اہل علم نے اس
کی بہت سی کتابین اڈٹ کرکے شائع کی ہین، اور ان کے ترجمے کئے ہین لیکن اس کے باوجود
جابر کے بارہ مین ان سے نہایت فاش غلطیان ہو گئی ہین، مثلاً جابر کے متعلق ان مین سے بعض کا

۱؎ کشف الظنون جلد دوم ص ۳۲۳ (مطبوعہ در مطبع سعادت ترکی ۱۳۱۱ھ) ۲؎ ابن ندیم ص ۴۹۹
۳؎ ابن خلکان ص ۸۵ جلد اول،

خیال ہے کہ وہ "اشہر امراء العرب و فلاسفتھم" یعنی عرب کا مشہور و معروف امیر الامرا اور فلسفی تھا،[1]

بعض اس کو اندلس کے شہر اشبیلیہ کی طرف منسوب کرتے ہین[2] ایک دوسرے انگریز مستشرق نے اس کو خالص عربی النسل بتایا ہے، اس کا خیال ہے کہ جابر مین خالص عربی خون تھا، عجمیت سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے،[3]

ایک صاحب ایک قدم اور آگے بڑھ کر جابر کو عرب کا بادشاہ بنا دیتے ہین، اور اس کو "ملک العرب" کا خطاب عنایت فرماتے ہین،[4] بعضون نے اس کو عجم اور بعضون نے ہندوستان کی بادشاہی بخشی ہے،

لاطینی زبان کے علماء جابر بن حیان کو (Geber) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہین، چنانچہ لاطینی زبان کی ایک کتاب جو جابر یا جیبر (Geber) کی طرف منسوب ہے، لاطینی زبان کے علماء اور فضلا مین بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اس کتاب کا نام (Summa perefection.) ہے، مشہور محقق اور ناقد پروفیسر ہولمیارڈ (Holmyard) کے خیال مین مذکورۂ بالا کتاب یعنی (Summa ferefection)

[1] ملاحظہ ہو رسل (Russell) کا انگریزی مضمون بہ سلسلۂ تالیفات جابر، مسٹر رسل کی اصل انگریزی عبارت یہ ہے، 'The most famous Araleian prince and phelaspher'

[2] اس غلطی کی وجہ غالباً یہ ہو کہ وہ اشبیلیہ کے مشہور فلکی جابر بن افلح (پانچوین صدی ہجری) اور جابر بن حیان مین فرق نہین کر سکے اور ان کو دونون مین تشابہ ہو گیا [3] ملاحظہ ہو تالیفات جابر مطبوعہ نورم برگ (Nuremburg) ۱۵۴۱ء [4] ملاحظہ ہو تصنیفات جابر مطبوعہ ڈینزگ (Danzig) ۱۶۸۲ء [5] رسالہ المقتطف ۶۸ نمبر ۵ مئی ۱۹۲۶ء مطابق شوال ۱۳۴۴ھ

جابر بن حیان کی مشہور کتاب "الخالص" کا ترجمہ ہے، یا اس سے ماخوذ ہے، پروفیسر ہولمیارڈ کا یہ بھی کہنا ہے کہ "Suma" ferefectian" کے علاوہ اور بھی بہت سی کیمیائی کتابین جو لاطینی زبان مین شائع ہوئی ہین جابر ہی کی تصانیف ہین،

(Summa ferefictian) لاطینی زبان کے جاننے والون کے نزدیک بہت محبوب اور مقبول ہے،[1]

جابر (jabir) اور جیبر (Geber) کے معمولی فرق کی وجہ سے بعض متاخرین کو یہ اشتباہ ہو گیا ہے، کہ جابر اور جیبر دو الگ الگ شخصیتین ہین، حالانکہ دونون ایک ہی شخص کے دو نام ہین،

پروفیسر ہولمیارڈ نے سائنس کے ایک مشہور رسالہ سائنس پروگرس (Science-progress.) کے جنوری ۱۹۲۵ء کے شمارہ مین جابر بن حیان کے حالات اور اس کے کامون پر ایک مفصل اور پر مغز مضمون لکھا تھا، جس مین انھون نے اس غلط خیال کی پوری تردید کی ہے انھون نے بہ دلائل ثابت کیا ہے، کہ جابر بن حیان وہی شخص ہے، جسے لاطینی زبان کے علماء جیبر (Geber) کے نام سے پکارتے ہین، اور جتنی بھی کتابین جیبر کی طرف منسوب ہین، وہ سب کی سب (ترجمے) اور اقتباسات ہین اس نامور قابلِ فخر، یگانۂ روزگار فارسی الاصل اور عربی النسل مصنف کی کتابون کے جسے دنیا جابر بن حیان کے نام سے جانتی ہے،[2]

جائے پیدائش اور وطن جابر کی جائے پیدائش اور وطن مین بھی تذکرہ نویسون کا بڑا اختلاف ہے

[1] رسالہ سائنس پروگرس (Science progress) جنوری ۱۹۲۵ء [2] ملاحظہ ہو پروفیسر ہولمیارڈ (Holmyard) کا مضمون مندرجہ رسالہ سائنس پروگرس (Science progress) شمارہ جنوری ۱۹۲۵ء،

کوئی اسے کوفہ کا بتاتا ہے، کوئی طوس کا، کوئی خراسان کا، کوئی حران کا، ذیل مین بعض تذکرہ نویسون کے بیانات لکھے جاتے ہین،

ابن ندیم کتاب الفہرست مین لکھتے ہین،

ھوابوعبد اللہ جابر بن حیان بن عبد اللہ الکوفی، وکان من اھل کوفہ،	ابو عبد اللہ جابر بن حیان ابن عبد اللہ کوفی کوفہ کا رہنے والا تھا،[1]

حاجی خلیفہ چلپی کشف الظنون مین رقمطراز ہین،

ھو الشیخ ابو موسیٰ جابر بن حیان الطوسی المتوفی سنہ ۱۶۰ھ	شیخ ابو موسیٰ جابر بن حیان المتوفی سنہ ۱۶۰ھ طوس کا رہنے والا ہے،[2]

وزیر جمال الدین قفطی تاریخ الحکماء مین اس کو کوفہ کا رہنے والا بتاتے ہین،[3]

ڈاکٹر محمود نجم آبادی اپنی کتاب "شرح حال و مقام ذکریائی رازی" مین کہتے ہین کہ

"مردے ایرانی الاصل می باشد مولدش درحران بین النہر و در این شہر تحصیلات ابتدائی را انجام دادہ و در بغداد بہ تکمیل معلومات خود پرداختہ"[4]

اسی طرح سے اور بعض دوسرے مصنفین خیر الدین زرکلی[5] اور یوسف الیاس سرکیس وغیرہ[6] بھی کوفہ ہی کی طرف منسوب کرتے ہین،

---

[1] فہرست ابن ندیم ص ۴۹۸ [2] کشف الظنون ص ۲۹۵ ج دوم طبع اول در مطبع سعادت ترکی سنہ ۱۳۱۱ھ [3] اخبار الحکماء فی تاریخ الحکماء مطبوعہ مصر ص ۱۱۱ [4] شرح حال و مقام ذکریاے رازی از ڈاکٹر محمود نجم آبادی مطبوعہ ایران ص ۵۴ و ۵۵ [5] الاعلام (قاموس التراجم) ص ۴، ۱ [6] معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ مؤلفہ یوسف الیان سرکیس مطبوعہ مصر جلد اول،

مذکورۂ بالا بیانات مین بظاہر بڑا تضاد ہے، لیکن اگر ذرا سا بھی غور کر لیا جائے، تو یہ تضاد رفع ہو جاتا ہے، اس کی جانب یاقوت حموی[1] کی ایک عبارت سے رہنمائی ہوتی ہے، جس سے سارا تضاد دور ہو جاتا ہے، اکثر مصنفین نے جابر کو عراق کے مشہور شہر کوفہ کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہین ہے، وہ اس کوفہ کا نہین بلکہ دراصل طوس کے ایک گاؤن کوفیا نام کا رہنے والا تھا، اور اس کی نسبت سے لوگون نے اس کو کوفی لکھنا شروع کیا، بعد مین آنے والی نسلون نے غلطی سے اس کو مشہور و معروف شہر کوفہ کا رہنے والا سمجھ لیا، یاقوت حموی کی اصل عبارت یہ ہے:-

کوفیا" بازقان من قری طوس،	یعنی کوفیا بازقان طوس کے ایک گاؤن کا نام ہے[2]،

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جابر بن حیان شہر کوفہ کا نہین بلکہ طوس کے ایک گاؤن "کوفیا" کا رہنے والا تھا، اس لئے جو لوگ اسے کوفی لکھتے ہین، یا طوسی کہتے ہین دونون کا بیان صحیح ہے، رہا حران اور نہرین کا سوال تو یہ طوس سے زیادہ فاصلہ پر نہین ہے متاخرین مین اکثر نے اس کا اصل وطن طوس ہی کو قرار دیا ہے، اور یہی صحیح ہے،

طوس بڑا مردم خیز خطہ ہے، اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء اور فضلا پیدا ہوئے، شاہنامہ کا مصنف فردوسی اس کا فرزند تھا،

پروفیسر ہولمیارڈ نے خاص طور سے اس کے وطن کی تحقیق کی ہے، اور اسے طوس کا رہنے والا ثابت کیا ہے[3]،

---

[1] شہاب الدین ابو عبد اللہ المعروف یاقوت حموی مصنف معجم البلدان و معجم الادباء ۵۷۵ھ - ۶۲۶ھ [2] معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ مطبعۃ السعادہ مصر ج ۷، ص ۳۰۰ [3] رسالہ سائنس پروگرس (Science progress - جنوری ۱۹۲۵ء)

چونکہ شہر کوفہ مین اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزارا تھا[۵۱] اس لئے بعض لوگون نے اوس کو کوفی لکھا،

ابھی حال مین جب کوفہ کے کھنڈرات کی کھدائی ہوئی تھی تو جابر بن حیان کے معمل Laboratory کی بہت سی یادگارین ملین جن سے جابر کے کوفہ مین طویل قیام پر روشنی پڑتی ہے[۵۲] ابن ندیم نے بھی لکھا ہے کہ جابر کوفہ کی عمدہ آب ہوا کی وجہ سے وہین کیمیاوی عملیات اور تجربات کیا کرتا تھا، چنانچہ برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید کو جابر بن حیان کے معمل مین تقریبًا دوسو رطل سونا ملا تھا[۵۳]

نام ونسب جابر نام ابو عبد اللہ کنیت، باپ کا نام حیان اور دادا کا عبد اللہ تھا[۵۴]، حاجی خلیفہ چلپی نے اس کی کنیت ابو عبد اللہ کے بجاے ابو موسی لکھی ہے[۵۵]، ابن ندیم نے بھی ایک جگہ ابوموسیٰ کنیت بتائی ہے[۵۶] گویا کہ جابر کے دو لڑکے تھے، عبد اللہ اور موسیٰ،

ابتدائی حالات زندگی کے ابتدائی حالات پردہ خفا مین ہین، باوجود تلاش وتحقیق اس کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوسکا، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدائی تعلیم وطن ہی مین حاصل کی، اس سے قیاس ہوتا ہے، کہ اس کے بچپن کا زمانہ بھی وطن ہی مین گذرا ہوگا، اس کے بعد بغداد گیا[۵۷]

جابر کے اساتذہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابون مین جابر کے صرف دو استادون کے نام ملتے ہین (۱) امام جعفر صادق (۲) خالد بن یزید بن معاویہ، موخر الذکر کے متعلق ہم اوپر بیان کر آئے ہین، کہ جابر بن کی وفات کے وقت پیدا ہی نہین ہوا تھا، اس لئے اس سے تلمذ کی روایت صحیح نہین،

---

۵۱ ابن ندیم ص ۴۹۹ ۵۲ Science progress جنوری ۱۹۲۵ء ۵۳ فہرست ابن ندیم ص ۴۹۹ ۵۴ ابن ندیم ص ۴۹۰ ۵۵ کشف الظنون ص ۲۹۵ ۵۶ ابن ندیم ص ۵۰۰ ۵۷ شرح حال ومقام زکریائے رازی ص ۵۵،

جابر کیمیا کے علاوہ دوسرے علوم مین بھی دستگاہ رکھتا تھا، جس پر اس کی تصانیف شاہد ہین، ان علوم مین بھی اس کے اساتذہ کی تعیین نہین کی جاسکی،

جابر اور برامکہ دوسری صدی ہجری مین جابر ہارون رشید کے پائیتخت بغداد مین قیام پذیر تھا، جہان اوس کے تعلقات برمکی خاندان سے بہت گہرے تھے، خلیفہ سے بھی اس کے تعلقات خوشگوار تھے، لیکن برامکہ سے اس کو خاص لگاؤ تھا جس کا ثبوت ان کتابون سے ملتا ہے جو اس نے اُن کی (برامکہ) فرمائش پر لکھین، یا خود بطور ہدیہ پیش کین، یا اُن کی طرف منسوب کین،

دوسرے علوم کی طرح برامکہ کو علم کیمیا سے بھی دلچسپی تھی، اس لئے انھون نے اس علم کی بھی پوری سرپرستی کی، جابر نے اپنی کتاب الخواص مین بہت سے ان اختلافات کا تذکرہ کیا ہے جو اس سے اور برامکہ سے اس علم کے بارے مین ہوئے[۵۸]،

جابر بن حیان کی کتاب "نہایۃ الطلب"[۵۹] کے شارح جلاقی[۶۰] نے لکھا ہے کہ اُس نے کیمیا کے بہت سے راز یحیٰی برمکی اور اس کے دونون لڑکے فضل وجعفر کو بتا دیئے تھے[۶۱]

ابن ندیم کے بیان کے مطابق یہ خود بھی آل برمک کا ایک فرد تھا[۶۲]، اور اس سے اور جعفر بن یحیٰی سے بڑے گہرے تعلقات تھے[۶۳]

جب آل برمک پر خلیفہ ہارون رشید کا عتاب نازل ہوا، اور اُن کے ساتھ اُن کے متوسلین

---

۵۸ رسالہ المقتطف مئی ۱۹۲۶ء ۵۹ یہ کتاب جلاقی کے فارسی شرح کے ساتھ ۱۳۰۷ھ مین آقا محمد شیرازی نے بمبئی سے جترپر بہار پریس مین چھپوا کر شائع کی ہے ۶۰ عرب کیمیا دانون کے متعلق اس کی معلومات کا دائرہ بڑا وسیع تھا، یہ خود بھی کیمیا دان تھا، ۷۶۲ھ مین انتقال کیا،

۶۱ شرح نہایۃ الطلب (فارسی) مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۷ھ

۶۲ ابن ندیم ص ۴۹۹ ۶۳ ابن ندیم ص ۴۹۹،

قتل کئے جانے لگے تو جابر نے بغداد سے راہِ فرار اختیار کی، اس کے بعد جابر کو کہیں جم کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، کیونکہ خلیفۂ وقت ہارون الرشید کا ڈر اُس کے دل پر کچھ ایسا طاری تھا، کہ اس کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتا تھا،[1]

ابنِ ندیم لکھتے ہیں، "کان ینتقل فی البلدان لا یستقر بہ بلد خوفاً من السلطان علی نفسہ"[2]

یعنی یہ ایک جگہ جم کر نہیں رہتا تھا، بلکہ سلطان کے ڈر سے ادھر ادھر اپنی جان لئے پھرتا تھا"

جابر کے دعویدار | شیعوں کا خیال ہے کہ جابر شیعہ تھا، دلیل یہ ہے کہ وہ چھٹے امام حضرت جعفر صادق کا شاگرد اور تربیت یافتہ تھا،[3]

فلسفیوں کا کہنا ہے کہ جابر ان میں سے ایک تھا جس کا ثبوت اس کی منطق اور فلسفہ کی تصانیف ہیں[4]:-

صوفیوں کا خیال ہے کہ وہ ایک بڑا صوفی اور راہِ سلوک کا عارف تھا، چنانچہ اکثر تذکرہ نویسوں نے اس کو صوفی کے لقب سے یاد کیا ہے[5]

بہرحال اس کی تصانیف کو دیکھنے سے کوئی شخص اس کا صحیح مسلک متعین نہیں کر سکتا،

آخر عمر میں غالباً تصوف سے زیادہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے صوفی کے نام سے مشہور ہوا،[6]

وفات | کشف الظنون کے مصنف حاجی خلیفہ چلپی نے سنہ وفات ۱۶۰ھ قرار دیا ہے جو تاریخی

---

[1] ابن ندیم ص ۴۹۹ [2] ایضاً ص [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۴۹۹ [5] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۸۵ و اخبار الحکماء ص ۱۱۱ و ابن ندیم وغیرہ وغیرہ،

[6] اخبار الحکماء، ابن ندیم، شذرات الذہب وغیرہ،

اعتبار سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جابر اور برامکہ کے تعلقات مستند تاریخوں سے ثابت ہیں، بقول ابوالفدا، ابن اثیر اور طبری وغیرہ برامکہ کا قتل عام ہارون الرشید کے ہاتھوں ۱۸۶ھ یا ۱۸۷ھ میں ہوا ہے، اس لئے جابر یقیناً ۱۶۰ھ کے بعد بھی زندہ رہا، ورنہ ابن ندیم کے بیان کے مطابق اس کو خلیفۂ وقت کے ڈر سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟

نہایۃ الطلب کے شارح جلاقی نے لکھا ہے، کہ جابر بن حیان ہارون الرشید کے انتقال تک چھپا رہا، اور خلیفہ مامون کی تخت نشینی کے بعد دوبارہ ظاہر ہوا،[1]

اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی،

تلامذہ | مشہور تلامذہ میں خرقی ابن عیاض مصری اور اخمیمی ہیں،[2]

خرقی | مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا، مدینہ منورہ میں ابن ندیم کے زمانہ تک ایک گلی سکۃ الخرقی ان کے نام سے منسوب تھی،[3]

ابن عیاض مصری | یہ مصر کا رہنے والا تھا، اس نے بھی جابر بن حیان سے بہت فیض اٹھایا،[4]

اخمیمی | اس کا پورا نام عثمان بن سوید ابو حری الاخمیمی ہے، مصر کے ایک گاؤں اخمیم کا رہنے والا تھا، فن کیمیا کا بڑا امام سمجھا جاتا تھا اس سے اور ابن وحشیہ سے بڑے معرکہ کے مناظرے ہوتے تھے، اس کی مشہور کتابیں کتاب الکبریت الاحمر، کتاب الابانۃ اور کتاب الحل والعقد وغیرہ ہیں،[5]

اولاد | صرف دو بیٹوں کا پتہ چلتا ہے، جن کے نام عبداللہ اور موسیٰ ہیں، خاندانی حالات نامعلوم ہیں، اوپر ابن ندیم کی روایت گذر چکی کہ یہ خاندان برمک سے تعلق رکھتا تھا،

تصانیف | تصانیف کے اعتبار سے جابر ان چند علماء میں سے ہے جس کی تصنیفیں بے شمار ہیں، ابن ندیم

---

[1] رسالہ المقتطف بابت مئی ۱۹۳۶ء ص ۴۸۷، [2] ابن ندیم ص ۵۰۰ [3] ابن ندیم ص ۵۰۰ [4] ایضاً

[5] ابن ندیم ص ۵۰۵،

نے اُن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ لکھی ہے، کتابون کی یہ تعداد بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے جس کا یقین مشکل سے آتا ہے، لیکن اُس کی حقیقت یہ ہو کہ اُن چار ہزار کتابون مین اکثر و بیشتر صرف مختصر مضمون کی حیثیت رکھتے تھے، ان مضامین اور چھوٹے چھوٹے رسالون کو کتاب کے نام سے تعبیر کر دیا گیا ہے جس سے تعداد زیادہ ہو گئی ہے، ابن ندیم نے جن کتابون، رسالون اور مضامین کا ذکر کیا ہے، اُن مین سے اکثر حوادث زمانہ کی نذر ہو گئی ہین، تاہم بہت سی کتابین اب بھی مختلف کتب خانون مین موجود ہین، جن سے اکثر اشخاص ابھی تک ناواقف تھے لیکن تحقیق و تفتیش کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور رفتہ رفتہ اُن کا پتہ چلتا جا رہا ہے، اور وہ منظر عام پر آتی جا رہی ہین،

ابن ندیم نے اس کی پوری کوشش کی ہے، کہ جابر بن حیان کی اہم تصانیف کے نام گنا دئے جائین، مگر ان کی صحت کا زیادہ خیال نہین کیا ہے، جس سے بہت سے لوگ غلط فہمیون مین مبتلا ہو گئے ہین[1]

جرمنی کے مشہور مستشرق فلوگل (Flügel) نے ابن ندیم کی کتاب "الفہرست" کو بنیاد و اساس قرار دے کر جابر کے حالات لکھے ہین، اور اُن کی تصانیف پر ریویو کیا ہے، لیکن اُن سے اور اُن کے متبعین سے بھی بڑی غلطیان سرزد ہوئی ہین[2]

اس طرح سے پروفیسر برتھیلو نے فہرست ابن ندیم سے جابر بن حیان کی بہت سی کتابون کے نام جون کے تون بغیر جانچے ہوئے نقل کر دئے ہین[3]

(باقی)

---

[1] رسالہ المقتطف بابت مئی ۱۹۲۶ء ص ۵۴۸ [2] ملاحظہ ہو پروفیسر ہولمیارڈ، صدر جمعیۃ ملکیہ انگلستان

[3] ملاحظہ ہو پروفیسر ہولمیارڈ صدر جمعیۃ ملکیہ انگلستان کا مقالہ مندرجہ سائنس پروگرس بابت جنوری ۱۹۲۵ء

[4] رسالہ سائنس پروگرس جنوری ۱۹۲۵ء

ہندوستان مین علم حدیث

بطریق تالیف علوم حدیث

از

مولوی ابو یحیٰی امام خان صاحب نوشہروی

"معارف" نے عرفانِ علوم کے جو ظروف تیار کئے، من جملہ اُن کے ہندوستان مین علم حدیث بھی ہے، جس پر اب تک جو کچھ لکھا گیا، بطریق تدریس و تحدیث لکھا گیا، اور وہ بھی اس سے بھی بہت کم جتنا کہ لکھا جا سکتا تھا، مگر دوسرا رُخ بصورت تالیف علومِ حدیث ابھی تک حجابات مین ہے،

مضمون ہذا مشارق الانوار النبویہ (امام حسن صغانی اللاہوری ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) کی نورانی شعاعون کی قدرے نور پاشی ہے، جسے راقم الحروف نے اپنی زیر تالیف (ہندوستان مین علوم حدیث کی تالیفات) مین مبیض کیا ہے، اور معارف مین بر بناے اظہار تشکر (قبل از اشاعت) پیش ہے کہ یہ عنوان اسی کے صدقے سے ملا[1]

شراب نوش کن و جام از بصوفی دہ!

کہ بادشاہ ز کرم جرم صوفیان بخشید!

امام حسن صغانی (۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) کا ظہور و لادت ۵۷۷ھ / ۱۱۸۱ء (۱۵ ماہ صفر) مین عروس البلاد

---

[1] بصورت مضمون جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب (پی ایچ ڈی) الہ آباد یونیورسٹی شائع شدہ معارف ۵ دسمبر ۱۹۳۲ء

پنجاب لاہور مین ہوا، تکمیل علوم کی پوری داستان کہین منضبط نہین، مگر یہ ذکر حسن ممدوح کے سرایک سراپا مین مرقوم ہے، کہ وہ صرف حدیث ہی مین بالغ نظر نہ تھے، بلکہ عالم اسلام مین انکی روشناسی امام لغت سے بھی ہوئی ہے؛

رنگینیوں کی جان ہے وہ پاے نازنین
میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی

اس فن مین امام (حسن) کی متعدد تالیفات بھی ہین، کہ من جملہ اُن کے التکملہ (شاید فنِ لغت مین حد تکمیل تک ہو) جو دس بارہ سال ہوے علی گڑھ آتے آتے مراکش پہنچ گئی،![1]

حرّ سةٌ حلّت بغیل وجاوزت
اَھْلَ الحِجَازِ فَاَینَ مِنکَ مَرامھا

درالسحابہ فی وفیات الصحابہ | سیر ورجال کی وفیات پر تھے، اور وہ بھی منظومین (آیۂ پاک)۔: وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (توبہ)؛ - مگر اب جس کا صرف نشانِ منزل تذکرۃ النوادر طبع دکن مین رہ گیا ہے،

وفیات کا باب کس قدر ضروری اور کتنا دلچسپ ہے کہ مدار روایت ہی تعیین وفات راوی پر ہے، حتی کہ اگر رواۃ حدیث مین سے کسی راوی کے سنہ وفات کی اطلاع نہ ہوسکی، تو اس کا تذکرہ درخور اعتنا

---

[1] یہ اُس زمانہ کا ماجرا ہے جب مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی پروفیسر مسلم یونیورسٹی اپنی مشہور کتاب طبع کرانے کے لئے خود مصر تشریف لے گئے، شاید ممدوح ہی کبھی یہ واقعہ ضبط فرمائین، کہ کس طرح اُن کو التکملہ کی اطلاع ملی، مگر جب خریدنے کے لئے گئے تو ذرا ہی پہلے مراکش کے ایک ادب جوہری اُسے حاصل کر چکے تھے،

نہ رہا، اور روایات مین تو ایسے راوی سے حدیث بیان کرنا ہی زیر بحث نہ آسکا، یہ ہین فن حدیث کی لطافتین جن سے خالی الذہن جا بندۂ ہند نے نفس حدیث ہی کی دینی حیثیت سے انکار کردیا، !

پیدا ہوے ہین جان کے خواہان نئے نئے

صاحب مقدمۂ تحفۃ الاحوذی نے صحابہ کرام کے تذکرہ مین جن حضرات نے کتابین لکھی ہین انکے اسماے گرامی کا یہ ذکر فرمایا ہے،

۱- امام بخاری (صاحب بجامع الصحیح) م ۲۵۶ھ / ۸۶۹ء،

۲- ابن الخیاط[1] خلیفہ بن خیاط الحافظ الامام ابو عمرو محدث نسابہ اخبار علامہ صنف التاریخ (تذکرۂ ذہبی ج ۲ ص ۲۱)، م ۲۴۰ھ / ۸۵۴ء

۳- ابن سعد محمد بن سعد صاحب طبقات ابن سعد، م ۲۳۰ھ / ۸۴۴ء،

۴- ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفارسی الفسوی م ۲۷۷ھ / ۸۹۰ء

۵- ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب، م ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء

۶- البغوی عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغدادی مصنف معجم الصحابہ (تذکرہ ج ۲ / ۲۴۳) م ۳۱۰ھ / ۹۲۲ء، ابوداؤد صاحب سنن ابی داؤد، م ۲۷۵ھ / ۸۸۸ء،

۷- ابن السکن الحافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید السکن البغدادی، (تذکرہ ج ۳ / ۱۴۰) م ۳۵۳ھ / ۹۶۴ء

۸- ابن شاہین ابوبکر عمر بن احمد (وفی التذکرہ ابو حفص م ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء

۹- طبرانی سلیمان بن احمد، م ۳۶۰ھ / ۹۷۰ء

۱۰- ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ (صاحب صحیح ابن حبان) م ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء

---

[1] امام بخاری کے استاد روایت ہین (تذکرہ)

۱۱- ابنِ منده ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق الاصبهانی، م ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء

۱۲- المدینی ابو موسیٰ محمد بن عمر المدینی الاصبهانی، م ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء

۱۳- ابو نعیم اصبهانی (احمد بن عبد اللہ) م ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء

۱۴- الباوردی (!) ابو منصور،

۱۵- العسکری الحافظ الامام ابو الحسن علی بن سعید عبد اللہ نزیل الرے (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۳) م ۳۰۵ھ/۹۱۷ء

۱۶- ابن فحتون ....

۱۷- حسن صغانی اللاہوری ..... م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء

ان مصنفین کی کتابون مین سے کتنی ہین، جن کا وجود دنیا مین اس وقت ہے، البتہ صحابۂ کرام کے حالات پر یہ تین کتابین عام طور پر متداول ہین

استیعاب	لابن عبد البر	۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء
اسد الغابہ	لابن اثیر جزری	۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء
اصابہ	لابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء

امام حسن صغانی (۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) صاحب اسد الغابہ (جزری ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء) کے ہم عصر اور امام ابن حجر عسقلانی، جامع اصابہ فی تمیز الصحابہ (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) کے مقدم ہین، مگر استیعاب وفیات صحابہ سے قاصر ہے اسد الغابہ مین یہ التزام نہین، اور صاحبِ اصابہ بھی اس مین غیر مصیب ہین، یہ فخر صرف امام حسن لاہوری کو نصیب ہوا، مگر افسوس کہ ہماری سہل انگاری نے اسے تلف کر دیا،

از آن زمان کہ ز دستم برفت یار عزیز

کنارِ دیدۂ من ہم چو رود جیحون ست

اب ہندوستان مین امام حسن کی صرف ۲ کتابین رہ گئی ہین:-

۱- مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ،

۲- موضوعاتِ حسن صغانی،

اور اس مضمون مین صرف اول الذکر مشارق الانوار کی اُن ضیا پاش شعاعون کا انعکاس مقصود ہے، کہ براہِ راست مشکوٰۃ نبوت (صلوٰۃ اللہ علیہ) سے مقتبس ہین، یہ شعاعین ہی ہین، مگر کس قدر نور ریز! اللہ! اللہ! پورے عالم کو بقعۂ نور بنا دیا! بلکہ

نسبتِ رویت اگر با ماہ و پروین کردہ اند

صورتِ نادیدہ تشبیہے تخمین کردہ اند

تذکرہ شیخ (امام حسن) | سبحۃ المرجان مین ہے:-

"مولانا حسن صغانی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے فرشتہ خصال بشر تھے، کہ گویا ان کی طینت عناصر فلکی سے ممزوج ہے، عالم تھے ربانی، اور صاحب کمالات تھے نورانی ان کا مولد لاہور ہے، یہان ان کے اسلاف مین سے کوئی بزرگ صاغان سے تشریف لائے، اور صاغان ماوراء النہر مین ایک بستی ہے، بروایتِ صاحب مبارق الازہار، مولانا محمود بن سلیمان بغوی اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار[1] مین فرماتے ہین، کہ امام حسن بن محمد بن حسن بن حیدر صغانی اخلاف عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہین،

فقہ و حدیث کے علاوہ بھی ان کی کئی علوم مین نظر تھی، اصلاً لاہوری تھے، جو ہندوستان کا ایک شہر ہے، جہان ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء (۱۰ ماہ صفر) مین پیدا ہوے، تمام علوم

[1] الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مولانا عبد الحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء، اسی کتاب کی تلخیص و تہذیب ہے (الفوائد ص ۳)

اپنے والد سے پڑھے، (داخذ ہ عن والدہ وحصل ووصل وکمل وثم رحل الی بغداد) تکمیل کے بعد ۶۲۲ھ/۱۲۲۴ء مین عراق کا قصد فرمایا اور بغداد مین اقامت فرمائی

انھون نے کئی کتابین لکھین، ازان جملہ حسب ذیل ہین،

کتاب الشوارد فی اللغۃ وشرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریۃ وکتاب الانفعال وکتاب العروض ومشارق الانوار، والایضاح فی الحدیث مصباح الدجیٰ[1] والشمس المنیرۃ وشرح البخاری ودرالسحابۃ وشرحہا، وکتاب الفرائض کتاب العباب فی اللغۃ؛

موخر الذکر کتاب العباب مین قلم تیسرے حرف تک پہنچا تھا، کہ یکایک اجل آپہنچا،

یہ بغداد کا واقعہ ہے، اور اپنی میت کے لئے مکہ معظمہ مین دفن کی وصیت فرمائی،

اور اس نقل مکانی مین حصہ لینے والون مین سے ہر ایک کے لئے پچاس دینار معاوضہ کی وصیت لکھی، کچھ مدت اپنے دولت کدہ (بغداد) ہی مین مدفون رہے، آخر اسی سال مین تکمیل وصیت ہو گئی،

اپنی زندگی مین برسون مکہ معظمہ مقیم رہے، وہان سے عراق اور یہان سے سفارت پر ہندوستان تشریف لائے، (از ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء تا ۶۲۴ھ/۱۲۲۶ء) ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء میں بغداد پہونچے، اور اس کے بعد پھر کہین نہ گئے،

"حدیث انھون نے مکہ معظمہ مین، عدن مین اور ہند میں بھی پڑھی،"[2]

مگر نہیں کہا جا سکتا کہ امام حسن کے عہد مین ہندوستان مین حدیث کا درس عام یا خاص

---

[1] مصباح الدجی نسخۃ منہ فی الخزانۃ المصریۃ بخط عبد اللہ الموقت بالعلقۃ فرغ من کتابتہا سنۃ ۶۱۶ھ/۱۲۰۴ء اوراقہا ۳۱، نسخۃ اُخریٰ فی مکتبۃ شیخ الاسلام، نسخۃ اُخریٰ فی خزانۃ برلن تحت رقم ۱۱۵۰ (تذکرۃ النوادر ۵۲)

[2] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص (۲۹،۳۰)

کہان تھا، اور یہ محدث کون بزرگ تھے،

امام حسن کے تذکرہ کے بیان مین اولیت کا تاج امام ذہبی صاحب تذکرۃ الحفاظ (م ۷۴۸ھ) کے سر پر ہے، فرماتے ہین :-

"امام حسن صنعانی ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء مین شہر لاہور مین پیدا ہوئے، غزنہ مین سن رشد کو پہنچے، ۶۱۵ھ/۱۱۸۱ء مین بغداد آئے، اور خلیفہ کی طرف سے سفارت کے لئے ہندوستان بھیجے گئے، جہان کچھ مدت قیام پذیر رہے،

اب حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اور یمن ہوتے ہوئے بغداد تشریف لائے،

یہان سے پھر ہندوستان اور بالآخر بغداد آگئے"[1]

ہندوستانی سیر نگارین سے آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) نے امام کا ذکر خیر سبحۃ المرجان مین جیسا کہ اوپر گذر گیا ہو، ان کے علاوہ اخبار الاخیار مین شاہ عبد الحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) نے ارباب خیر وصلاح مین صغانی کا سراپا لکھا ہے،

انکے مولفات مین نواب صدیق الحسن خان نے ان کتابون کا اضافہ فرمایا ہے، عقلۃ العجلان، زبدۃ المناسک، درجات العلم والعلما، التکملہ، مجمع البحرین (حامل جمیع لغت عرب ....) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب[2] جیسا کہ فرماتے ہین :: ورای این او تصانیف دیگر یعنی کشف الحجاب عن احادیث الشہاب[3]

کشف الحجاب تہذیب وتبویب ہے، شہاب الاخبار لابن سلامہ[4] (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء) کی جس مین ابن سلامہ نے احادیث کے ایک ہزار جملے ایسے جمع کئے ہیں جن مین سے ہر ایک جملہ کسی غیر منضبط (غیر مذکور) فقرہ (حدیث) سے مربوط تھا،

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی (۱۳۶) ترجمہ [2] اتحاف النبلاء للنواب (۱۰۲) [3] قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی الشافعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء) اتحاف النبلاء (۱۰۲)

شہاب الاخبار کی تلخیص شیخ نجم الدین محمد ابن احمد الغیطی الاسکندری (م ۹۸۴ھ / ۱۵۷۶ء) نے کی۔

"واصلاحش امام حسن محمد صغانی کردہ و کشف الحجاب عن احادیث الشہاب نام نہادہ و برائے صحیح و ضعیف علامتے مقرر کردہ مثل المشارق"[۵۱]

اسی کشف الحجاب کا دوسرا نام تخریج الاحادیث للقضاعی ہے۔ ان سابقین (بالخیرات) کے مساعی کس قدر حیرت انگیز ہیں، ایک ہی کتاب کے کیسے کیسے ظروف تیار فرماتے ہیں، ایک صاحب (ابن سلامہ) نے کسی حدیث کا صرف ایک جملہ لے لیا، وہ بھی شروع کا نہیں، بلکہ پہلے فقرہ سے بعد کا کوئی ٹکڑا، اور اس طرح ایک ہزار جملے چن دیے،

دوسرے صاحب (قضاعی) کی نوبت آئی، اس ایک ایک جملہ کا ماقبل فقرہ تلاش کرکے ہر ٹکڑے کو پہلے سے مربوط کردیا، اور یہ ہندوستانی اہل الحدیث امام حسن ہیں، انھوں نے دونوں (ابن سلامہ اور قضاعی) کی فروگذاشتوں پر تنبہ فرمایا، پھر ان احادیث کی تخریج جیسا اہم در اہم راز واشگاف کیا، "و در دو ے موضوعات کتاب الشہاب و النجم جمع نمودہ"[۵۲] اور اس تخریج کا نام الدر الملتقط فی تبیین الغلط و اللغط ثبت فرمایا،

(باقی)

---

[۵۱] اتحاف النبلاء (۱۰۲) [۵۲] ایضاً (ص ۱۰۳) [۵۳] فہرس الکتب العربیہ فی الدار لغایت سنہ ۱۹۲۱ء عیسوی ص ۹۲ رقم ۱۰۰۵ [۵۴] اتحاف النبلاء ۸۳، اور النجم بھی امام قضاعی شافعی کی کتاب ہے۔

تلخیص وتبصرہ

اندلس کا اسلامی تمدن

دار المصنفین میں تاریخ اسلام کے سلسلہ کی جو تدوین جاری ہے، اس میں اسپین کی حکومتوں کی تاریخ کی ترتیب راقم سطور کے سپرد ہے، اس سلسلہ میں ہمارے لائق دوست ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور نے اپنے مکتوب میں کیمبرج میڈیول ہسٹری کے ایک مقالہ کا تذکرہ کیا، اتفاق سے اس کی جلدیں ہمارے کتب خانہ میں موجود نہ تھیں، موصوف نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے اس کا نسخہ ارسال فرمایا، اور وہ مقالہ دیکھنے میں آیا، کتاب کو جلد ہی واپس کرنا تھا، اس لیے اس مقالہ کی ضروری تلخیص کرلی، یہ مقالہ اس کتاب کی تیسری جلد میں صفحہ ۴۰۹ سے ۴۴۲ میں آیا ہے، مقالہ نگار ڈاکٹر رفیل التمیرا (Rafeel Altamira) میڈرڈ یونیورسٹی کے پرفیسر اور پبلک انسٹرکشن کے ڈائرکٹر جنرل تھے، انھوں نے اس کو عربی اور یورپی زبانوں کے بہت سے قابل قدر مآخذ سے مرتب کیا ہے، اور پورا مقالہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر جامع ہے، خصوصاً اس کے آخری حصہ میں "اندلس کے اسلامی تمدن" پر اختصار سے جو گفتگو کی گئی ہے، اس میں اس موضوع کے خاصے معلومات سمٹ کر آگئے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ تلخیص کے طور پر معارف کے ناظرین کے مطالعہ کے لیے اس کو پیش کیا جائے، مقالہ کا یہ حصہ کتاب کے صفحہ ۴۲۹ سے ۴۴۲ میں آیا ہے:-

اسلامی قبیلے اور فرقے | اسپین کے اسلامی تمدن کی ترقی میں یہاں کے اسلامی قبیلوں اور جماعتوں کی گوناگوں

قصبوں سے غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہوئیں، عبدالرحمٰن الناصر کے دور حکومت کی یگانگی اور قبائلی اتحاد کو نظرانداز کرکے اسپین کے پورے اسلامی دور حکومت میں اسلامی فرقوں اور قبیلوں کی تقسیم قائم رہی، عربوں نے ایرانیوں، بربروں، اور دوسری قوموں کو فاتح ملکیوں کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، پھر خود عربوں میں بھی یمنی، شامی اور دوسرے گروہوں کی باہمی قبائلی تقسیم تھی، پھر ہر قبیلہ میں اس کے سرداروں عام لوگوں اور اس قبیلہ سے متعلق غلاموں کی سہ گونہ تقسیم قائم تھی، عبدالرحمٰن الناصر کے دور حکومت میں اشراف عرب کی تقسیم کو مٹا دیا گیا تھا، ان کی جگہ متوسط طبقہ کے لوگوں نے لے لی تھی اور تجارت، صنعت اور حرفت وغیرہ کے ذرائع سے غیر معمولی دولتوں کے مالک بن گئے تھے، اس کے ساتھ فوج کے نشتر کو سواروں کی قیادت کا سلسلہ جاری ہوا، مزدوروں کی جماعت متوسط طبقہ کے ماتحت آگئی، اور اس میں مالی ابتری کا احساس پیدا ہوگیا، اور زمینوں اور غلاموں کی کثرت سے اور لوگوں میں آزاد حکومت قائم کرنے کی خواہش بھی پیدا ہوگئی، عربوں اور بربروں نے اس طرح شہروں کو آباد کرنے اور ترقی دینے میں بیش از بیش حصہ لیا،

غلاموں کی جماعتیں گاؤں اور قصبوں میں تقسیم کردی گئی تھیں، ان کی حیثیت وزیگاتھ کے دیہاتوں سے زیادہ بہتر تھی، ان میں بہت سے ایسے تھے جو خود ذاتی غلام کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں سے بہت سے غلام فوجی خدمت میں داخل ہوگئے، اور رفتہ رفتہ وہ بڑے اہم اہم عہدوں کے مالک ہوتے گئے، پھر باقاعدہ غلاموں کے متبعین کی جماعتیں بنتی گئیں، اور وہ بڑی بڑی دولتوں کے مالک بن گئے، اور غیر معمولی سیاسی اہمیت حاصل کرلی، یہ غلام صرف سپاہی نہ تھے، بلکہ خلفاء کے غلام فوجی عہدوں کے علاوہ کشوری عہدوں پر بھی بڑی تعداد میں مقرر ہونے لگے، خصوصاً المنصور عامری کی وفات کے بعد ان کے اثرات نہایت فیصلہ کن ثابت ہونے لگے،

موالی (آزاد کردہ غلام) اپنی حیثیت کے اعتبار سے درمیانی شخصیت رکھتے تھے، ان میں

بیشتر وزیگاتھ کے "اخلاق باختہ دہقانی" تھے، جنھوں نے اسلام قبول کرکے آزادی حاصل کرلی تھی، اور جیسا کہ ہم نے دیکھا وہ قدیم العہد مسلمانوں کی طرف سے مشتبہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے، اور اس کی وجہ سے روز بروز بغاوتیں رونما ہوتی رہتی تھیں، عبدالرحمٰن ثانی کے زمانہ سے ان کی تعداد حکومت کے نظم و نسق میں بڑھتی گئی، اور ان کے تمدنی اثرات طاری ہوتے گئے،

یہودی یہودیوں کی قانونی حیثیت عربوں کے زیر حکومت ترقی کرتی گئی، خصوصاً قرطبہ کی تجارتی و صنعتی ترقیوں میں ان کا اہم حصہ تھا، خلفاء کے زمانہ میں انھوں نے زیادہ ترقی کی، مشہور یہودی حسدی جو عبدالرحمٰن الناصر کا خزانچی اور وزیر تھا، اور جس نے بعض اہم کتابوں کے ترجمے بھی کیے تھے، اپنے سیاسی تدبر اور دوراندیشی میں مشہور تھا، اس کے بہت سے ہم مذہب اس کی سرپرستی میں مشرق سے اندلس میں آئے اور انھوں نے تالمودی اسکول قائم کیے، جو عراق کے اسکول کا نقش ثانی تھا، قرطبہ کے یہود نے عربوں کے لباس، زبان اور معاشرت کو قبول کرلیا تھا، اور خلفاء کی طرف سے ان کی ہر موقع پر پشت پناہی کی جاتی تھی،

اسپینی عیسائی معاہد یعنی محکوم اسپینی عیسائیوں نے ابھی تک اپنی حکومت اور اپنے نظام کو برقرار رکھا تھا، ان کے شہروں میں انھی میں سے گورنر مقرر کیے جاتے تھے، جن کو خلیفہ منتخب کرتا تھا، انھوں نے اسلامی حکومت کے شباب کے زمانہ میں بھی اپنا سفیر یا قانونی وکیل رکھا، جو خلیفہ کے حضور میں ان کے حقوق و واجبات کی وکالت کرتا تھا، اکثر انھی میں کا محصل (کلکٹر) اور قاضی (جج) بھی ہوتا تھا، یہ لوگ اسلامی قوانین کی پابندی کرتے اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ کر علیحدہ محلوں میں رہتے تھے، لیکن معاشرتی حیثیت سے ان میں اور اسلامی آبادیوں میں کوئی زیادہ مغایرت نہ تھی، اگرچہ یہ لوگ وزیگاتھ سے ملتے جلتے تھے، اس کے ساتھ اسلامی سیادت و حکمرانی کو [illegible]

۱؎ یہ پورا بیان مقالہ نگار کی عصبیت پر مبنی ہے،

سے انگیز کرتے تھے، یہی ان وزیگاتھوں اور اسپین کے محکوم عیسائیوں میں ایک فرق قائم تھا،

انتظام حکومت اور عدالت | اسپین ابتداءً خلافت دمشق کا ایک صوبہ تھا، جس کا ایک امیر ہوتا تھا، عبدالرحمٰن اول نے اس نظام کو اپنی آزاد سلطنت قائم کرکے توڑا، اگرچہ ۹۲۹ء تک خلیفہ کا لقب اسپین میں اختیار نہیں کیا گیا، لیکن عبدالرحمٰن ثالث نے اس رسم کو بھی پورا کر دیا، خلیفہ سب سے بلند سیاسی و روحانی آمر و حاکم سمجھا جاتا تھا، وہ بسا اوقات اشراف کے انتخاب سے منتخب ہوتا تھا، لیکن عملی طور پر یہ موروثی عہدہ تھا، خلیفہ کے بعد "حاجب" یا وزیر اعظم ہوتا تھا، اور اس کے متعدد وزراء ہوا کرتے تھے، جو مختلف شعبوں کے نظام کے ذمہ دار تھے، جیسے خزانہ، محکمہ جنگ وغیرہ، ان کا تعلق حاجب کے واسطہ سے خلیفہ سے ہوتا تھا، پھر "کاتب" یا سکریٹری ہوتے تھے، انتظامی دفاتر "دیوان" میں جمع ہوتے تھے، اور اسی میں مختلف دوسرے دفاتر بھی ہوا کرتے تھے، صوبے جو تعداد میں چھ تھے ماتحت تھے، یہ قرطبہ کے علاوہ تھے، یہ صوبے سول اور ملٹری گورنر کے ماتحت ہوتے تھے، جس کو "والی" کہا جاتا تھا، چند اہم شہروں کے والی علحدہ بھی ہوتے تھے، اور صوبہ سرحد میں ایک فوجی سپہ سالار عہدہ دار ہوتا تھا،

خلیفہ، محکمہ عدالت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا، لیکن قوانین کے مطابق اس کی یہ ذمہ داریاں "قاضی" انجام دیتے تھے، اور چھوٹے ضلعوں میں ان کو حاکم کہا جاتا تھا، ان میں سب سے اونچا عہدہ "قاضی القضاۃ" (چیف جسٹس) کا تھا، جو قرطبہ میں رہتا تھا، ایک خاص جج "صاحب الشرطہ" تھا، یا "صاحب المدینہ" کہا جاتا تھا، یہ فوجداری اور پولیس کے مقدمات کی سماعت کرتا تھا، قرطبہ میں ایک اسپشل جج "صاحب المظالم" تھا جو سرکاری عہدہ داروں کے خلاف مقدمات سنتا تھا، عمومی سزائیں جرمانے، قید اور موت کی دی جاتی تھیں، عام ٹیکسوں کے علاوہ ذاتی اور حقیقی جائدادوں سے "خمس" کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا،

فوج | قبائل ملٹری نظام کے ساتھ منسلک تھے، ہر قبیلہ کا ایک سردار اور اس کے ماتحت ہوتے تھے،

سپاہی تنخواہیں، مہم کے خاتمہ پر پانچ سے دس اشرفیوں تک پاتے تھے، "بلدی" جو موسیٰ (فاتح اندلس) کے ساتھ آئے ہوئے عرب تھے، وہ بغیر کسی اہم موقع کے فوجی خدمت کے لیے نہیں طلب کیے جاتے تھے، یہ سپہ سالار اعظم اور قائد کہے جاتے تھے، ان میں کے عوام اکثر سوار ہوتے تھے، اسپینی فوج تلواریں، تیر کمان اور نیزے استعمال کرتی تھی، اسی طرح وہ مدافعتی اسلحہ تھے، جو اس زمانہ میں رائج تھے، ان کے اسلحہ چمکیلے اور روشن اور اسی طرح کے تھے جیسے بیزنطاین کے،

فوج کے ہاتھوں ملکی سیاست میں انقلابات بھی برپا ہوتے تھے، منظم عرب قبائل کے علاوہ ان میں خارجی عناصر بھی تھے، ان میں اولاً غلاموں کو درجہ حاصل تھا، پھر وہ کرایہ کے سپاہی تھے جو لیگ نوار اور قشتیلہ سے حاصل ہوتے تھے،

بحری بیڑے کی ترقی عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں ہوئی، المریہ اہم بندرگاہ تھا، بحر روم میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، ان کے حملے سپہ سالار کے ماتحت ہوتے تھے، جو "قائد" اور "امیر البحر" کہے جاتے تھے، یہ حملے گلیشیا اسٹریاس اور کبھی افریقیہ پر ہوتے تھے، اس زمانہ میں بحر روم پر عربوں کو قیادت حاصل تھی، دسویں صدی کے بعد عربوں کی بحری طاقت کو زوال آیا، جب کہ فاطمیوں کا اقتدار زائل ہو گیا،

مذہب | مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد خدا کی توحید اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کے اقرار اور خلیفہ کے اعلیٰ روحانی پیشوا ہونے پر تھی،[۵] لیکن عربوں اور بربروں میں مختلف آزاد خیال جماعتیں بھی تھیں، مقلد جماعتوں (یعنی فقہی مذاہب) میں مالکیوں کو اقتدار حاصل تھا، نیز ان میں کچھ زاہد تھے جو "زہاد" کہے جاتے تھے، کچھ لوگ فلسفہ اور دوسرے علوم کے مطالعہ میں مصروف تھے،

مسلمانوں کے قانون کی بنیاد قرآن مجید تھا، اور وہ حدیثیں تھیں جن میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول و عمل بیان کیا گیا ہے، یہ حدیثیں "سنت" کہی جاتی تھیں، ان کا خاص مجموعہ جو اسپین میں پہنچا وہ

---

[۵] خلیفہ کی اعلیٰ روحانی پیشوائی کے اقرار کو جزو دین بنانا مقالہ نگار کی نادانی ہے،

موطا تھا، جو مالک بن انسؓ کا ترتیب دیا ہوا تھا، اور جس میں ایک ہزار سات سو حدیثیں درج ہیں،
اس زمانہ تک کوئی خاص مجموعۂ قانون تیار نہیں ہوا تھا، لیکن فقہ کی خاص تالیفات مرتب تھیں،
فقہ کے ان مجموعوں میں مذہبی امور عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح اور طلاق وغیرہ کے قوانین
منضبط تھے، مالکیوں کے زیر اثر یہ مجموعے اسپین میں داخل ہو چکے تھے،

دولت اور صنعت وحرفت | خلفاء کے زمانہ میں مسلمانان اندلس، یورپ کے ممالک میں غیر معمولی دولتمند اور
آباد شہروں والے ہو گئے تھے، قرطبہ میں مکانوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، اور ان میں زیادہ اضافہ
عبد الرحمن ثالث کے دور حکومت میں ہوا، اسی زمانہ میں قصر الزہرا تعمیر ہوا، اور المنصور نے قصر الزاہرہ
بنوایا، دوسری تعجب خیز عمارت مسجد جامع تھی، جس کی تعمیر کی ابتدا عبد الرحمن اول کے زمانہ میں ہوئی تھی،
قرطبہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام حصوں کے سیاحوں اور مسافروں کے لیے نقطۂ اتصال تھا،

صنعت وحرفت اور تجارت کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل تھا، زراعت میں بھی چھوٹے چھوٹے
قطعہ آراضی کے مالکوں کے ہاتھوں سے نمایاں ترقی ہوئی، اسپین کے باشندے وزیگاتھ کی بہ نسبت عربوں
کے دور میں معاشرتی حیثیت سے زیادہ بلند تھے، عربوں نے اپنے زرعی تجربات سے فائدہ اٹھایا،
اور ایشیا کے مختلف زرعی پودوں، اور خصوصیتوں کو یورپ کے ان شہروں میں رائج کیا، کاشتکاروں
میں زیادہ حصہ محکوم اسپینی عیسائیوں کا تھا، عربوں نے جلد ان کو اپنے تجربے سکھا دیئے، مسلمانوں نے
انار گنے اور دوسری شرقی پیداوار کو یہاں رواج دیا، انھوں نے نہروں کے کھودنے اور ان کو دور
تک لے جانے کا طریقہ جاری کیا، یا اس میں ترقی دی، جن سے باغوں اور کھیتوں کی آبپاشی
ہوتی تھی، خصوصاً صوبہ مرسیہ اور غرناطہ وغیرہ میں نہروں کے جال کو پھیلایا، مویشیوں کو نسلی تربیت دی،
یہ قابل ذکر بات ہے کہ ان دوروں میں عربی سنہ و تاریخ کے بجائے رومی سنہ رائج تھا،
سونے چاندی اور دوسرے دھاتوں کی کانیں تھیں، جن میں کان کنی کی گئی، جیان (Jaen)

الغرب (پرتگال) (Algarve) باجہ (Beja) اور مالقہ (Malaga)
میں کھودی جاتی تھیں، ان میں سے موخر الذکر دو مقاموں کے لعل اور یاقوت شہرت رکھتے تھے، سوتی اور
ریشمی کپڑوں کی بنائی قرطبہ، مالقہ اور المریہ میں جاری تھی، خاص قرطبہ میں ۱۳ ہزار بننے والے موجود تھے، جزیرہ
(Palerme) میں کوزہ گری اور کمہاری کے فن کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی، اور المریہ میں
شیشہ گری کی صنعت جاری تھی، اسی طرح کانسے اور لوہے کے مختلف ظروف بنائے جاتے تھے،
اسی طرح شاطبہ میں عربوں نے فن کاغذ سازی کو سب سے پہلی مرتبہ روشناس کیا، چار خانہ و دار خانہ حلوں
کے ہتھیار اور اسلحہ قرطبہ اور دوسرے مقاموں میں بنائے جاتے تھے، طلیطلہ تلواروں اور زرع کے لئے
مشہور تھا، قرطبہ چمڑے کی ہر قسم کی صنعت کا مرکز تھا، اور یہیں سے جلد سازی کے طریقے اخذ کیے گئے،
مقری کے بیان کے مطابق قرطبہ کے ابن فرناس نے پارہ چڑھا کر آئینہ سازی کا طریقہ دریافت کیا، اور
مختلف قسم کے وقت پیما آلات بنائے، نیز ایک اڑنے والی مشین تیار کی،

ان صنعتی ترقیوں سے تجارت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی، تجارت عموماً سمندر کی راہ سے ہوتی
تھی، عبد الرحمن ثالث کے زمانہ میں بڑی اہم آمدنی درآمد و برآمد کے ٹیکس کے ذریعہ سے وصول ہوتی تھی،
اشبیلیہ جو اسپین کے عظیم ترین بندرگاہوں میں سے تھا، جو چیزیں باہر بھیجی جاتی تھیں، وہ روئی
تیل، زیتون، اور یہاں کی دوسری مقامی پیداواریں تھیں، یہاں کی آبادی گنجان تھی، جن میں زیادہ تر
نو مسلم تھے، اور تجارت میں پیش پیش رہتے تھے، عبد اللہ کی امارت کے زمانہ میں جب کہ ابن الحجاج
یہاں اقتدار اعلیٰ کا مالک بن بیٹھا تھا، یہاں کی بندرگاہ جہازوں سے بھری رہتی تھی، جن میں مصری
کپڑے، غلام، اور گانے والی لڑکیاں یورپ اور ایشیا کے ہر حصہ سے آتی تھیں، جیان اور مالقہ
سے اہم ترین برآمد زعفران، انجیر، شراب، سنگ مرمر، اور شکر کی ہوتی تھی، اسپین کا برآمد مال افریقہ
مصر اور قسطنطیہ جاتا تھا، اور پھر وہاں سے وہ ہندوستان اور وسطی ایشیا میں بھیجا جاتا تھا، اسپین کے

تجارتی تعلقات صرف قسطنطنیہ سے قائم نہ تھے، بلکہ مشرقی ممالک کے اکثر مقامات سے بھی استوار تھے، خصوصاً مکہ، بغداد اور دمشق کو مال جاتا تھا، خلفا نے ڈاک کا نہ منقطع ہونے والا سلسلہ قائم کر رکھا تھا، حکومت اور تجارت کی ضروریات سے عربوں کو اپنے سکے بھی جاری کرنے پڑے، جو سمجھے جاتے ہیں کہ اولاً مشرقی طریق سے اخذ کئے گئے تھے، سونے کا سکہ دینار تھا، اور وہ لوگ نصف دینار اور تہائی دینار کے سکے بھی استعمال کرتے تھے، چاندی کا سکہ درہم تھا، اور تانبے کا فلس، جس کو لاطینی میں (Folles) کہتے ہیں، بعض اوقات یہ سکے اپنے وزن اور قیمت میں گر بھی جاتے تھے،

زبان: حکومت کے ملازمین کے لیے سرکاری زبان معیاری عربی تھی، جو قرآن مجید کی زبان ہے، لیکن بول چال کی عام زبان ایسی تھی جس میں لاطینی یا رومانی زبانوں کے وہ الفاظ مل جل گئے تھے جو مفتوح قوموں کی بولیوں سے آئے تھے، یہ زبان مشرق میں مشکل سے سمجھی جا سکتی تھی، ریبیرا (Rib-era) نے ابن قزمان کی صوتی کتاب (Songbook of Ibn Quzman) کے مطالعہ سے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ قرطبہ کی عدالتوں میں بھی یہ عوامی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی، قاضی اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اور دوسرے عہدہ دار بھی، اس زبان کے رواج پانے کی خاص وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ عرب سپاہیوں نے اسپینی عورتوں سے شادیاں کرلی تھیں، ابن بشکوال، ابن الابار وغیرہ ایسے مصنفین تھے جو عربی جاننے کی وجہ سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، اس لیے اسپین کے مسلمانوں میں بھی یورپ کے دوسرے خطوں کے باشندوں کی طرح دو قسم کی زبانیں رائج تھیں، ایک تو معیاری ادبی زبان تھی، دوسری عام بول چال کی زبان، جیسے اسپینی عیسائی لاطینی اور عربی استعمال کرتے تھے، اسی طرح شمالی اسپین (عیسائی ممالک) کے باشندے لاطینی اور رومانی دستاویزیں لکھتے تھے،

تعلیم ادبیات اور سائنس: تعلیم کا کوئی بندھا ہوا نظام جاری نہ تھا، یہ ۱۰۶۵ء کا واقعہ ہے، جب کہ بغداد

میں پہلی یونیورسٹی قائم کی گئی، حکم کے زمانہ حکومت میں یہاں تعلیم سے دلچسپی لی گئی، خصوصاً اس لیے کہ ملکی مذہب کو فروغ دیا جائے، لوگ اس مذہب میں کمال حاصل کرنے کے لیے مشرق کا سفر کرتے تھے، حکم ثانی کے لیے مشرق کا سفر ممکن نہ تھا، اس لیے وہاں کے ماہرین تعلیم قرطبہ بلائے گئے، جنھوں نے یہاں درس دیئے، لیکن اس دلچسپی کو بھی سرکاری حیثیت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک تعلیم کی اشاعت کا خیال رکھا، اس نے اپنی وصیت کے مطابق اساتذہ کی تنخواہوں اور نادار طلبہ کے وظائف کے لیے اپنی دولت کا وافر حصہ نامزد کر دیا، لیکن اس کا تعلق صرف مذہبی تعلیمات سے تھا، اگرچہ ماہرین نے آزاد علوم سے بھی اپنی دلچسپی قائم رکھی، اور ان علوم کو ترقی دیتے رہے، لیکن مالکی فقہ سے عام دلچسپی کی وجہ سے اس کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا، اور اسی میں فن کا کمال حاصل کیا جاتا رہا،

ابتدائی تعلیم جیسے کہ تمام اسلامی ملکوں میں رائج تھی، یہاں بھی قرآن مجید سے شروع ہوتی تھی، کتابت کا فن بھی اسی زمانہ میں سیکھا جاتا تھا، پڑھنا اور لکھنا دونوں لازمی تھا، اگرچہ تعلیم حکومت کے اثر سے پورے طور پر آزاد تھی، لیکن اس قدر رائج تھی کہ اکثر اسپینی جانتے تھے کہ کس طرح لکھنا پڑھنا چاہیے، اعلیٰ تعلیم میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اور دوسرے مذہبی علوم کے بلند پایہ مضامین تھے، ان علوم کے اساتذہ عربی فلسفہ، صرف و نحو، ادبیات، تاریخ، نظم، اعلیٰ منثورات، حکایات، طب، فلسفہ یونان اور موسیقی وغیرہ کی تعلیم دینے میں ماہر ہوتے تھے،

شاعری کو نمایاں اہمیت اور بڑی مقبولیت حاصل تھی، اور زندگی اور معاشرہ پر اس کے خاص اثرات تھے، قبائل میں مختلف شعراء ہوتے تھے، ان میں سے ایک کو شاعر قبیلہ کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، لڑائیوں میں ان کی شاعری سے نمایاں خدمات انجام پاتے تھے، ان کی شاعری رجز کا کام کرتی تھی، مجمع عوام میں بھی شاعری کو عام مقبولیت حاصل تھی، عہدہ داروں اور امراء کی مجلسوں اور خلفاء کے محلوں میں اس کو رسائی حاصل تھی، شعراء بڑی بڑی تنخواہیں پاتے تھے اور مختلف مواقع

پر گرانقدر انعامات حاصل کرتے تھے۔

شاعری کے علاوہ اندلسی عربوں نے تاریخ اور جغرافیہ سے بھی اپنی دلچسپی قائم رکھی، لیکن مخترعانہ ایجادات [?] ان کے لیے نامعلوم تھے، اگرچہ فلسفہ کی مخالفت کی گئی، تاہم اس کا مطالعہ پرائیوٹ طور پر جاری رہا، فلسفہ کے چند اسکول دراصل وہاں کی چند خفیہ مجلسیں تھیں، یہ یقینی طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ اس تحریک کے اثر سے فلسفے نے یورپ میں رواج پذیر ہونے کا راستہ پایا، اسپینی ماہرین جنھوں نے مشرق کی سیاحت کی انھوں نے فلسفے کے مصنفین کی کتابیں اور یونانی فلسفہ کے ترجمہ کو پڑھا، اس طرح اندلسیوں نے فلسفہ کو یورپ میں روشناس کیا، خصوصاً تعلیمی فلسفہ یہیں سے پھیلا،

علم ہیئت اور فلکیات کو بھی فلسفہ کی طرح عوام کے لیے مضر سمجھا گیا، اور اس کے مطالعہ کو ممنوع قرار دیا گیا، بایں ہمہ مسلمانان اندلس میں ممتاز ماہرین فلکیات پیدا ہوئے، حساب اور فن طب کی تحصیل کی عام آزادی حاصل تھی، طب میں اندلس والوں نے مشرقی فن کو آگے بڑھایا، اور اس کی تحصیل میں کمال حاصل کیا، اس طرح عہد وسطیٰ کے فن طب میں انھیں نمایاں امتیاز حاصل تھا، نیچرل سائنس بھی یہاں کے ڈاکٹروں کا محبوب موضوع تھا، یہودیوں نے بھی عربوں کا اتباع کیا، اور ان میں طبعیات اور نیچرل سائنس کے ممتاز ماہرین پیدا ہوئے، اسپین کے ان کے علوم کے اثرات مغربی یورپ میں پہنچے،

(باقی)

ندوۃ المصنفین دہلی قرولباغ

ندوۃ المصنفین اور اس کے رسالہ برہان کا جو دفتر قرولباغ دہلی میں قائم تھا موجودہ ہنگامے میں تباہ ہوجانے کی وجہ سے وہاں سے اٹھ چکا ہے اور عارضی طور پر "برہان" کی اشاعت ملتوی کردی گئی ہے۔ اب دہلی میں کسی مناسب جگہ دفتر قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس کے لیے مکان کی تلاش جاری ہے اور حالات کے ذرا زیادہ بہتر ہوجانے کا انتظار ہے، اس کے بعد رسالہ کی اشاعت پھر شروع کردی جائے گی، جو صاحب اس وقت تک ندوۃ المصنفین یا برہان اور مکتبہ برہان سے متعلق مکاتبت کریں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر کریں۔

(مفتی) عتیق الرحمن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین معرفت کتب خانہ علم و ادب، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

استفسار و جواب

"اسلامی" یا "مسلمانوں" کا ملک

جناب عبدالعزیز صاحب کوہدپوری
گوہدپور ضلع سیالکوٹ (مغربی پنجاب)

"سیر افغانستان" زیر مطالعہ ہے۔ اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افغانستان کی سیر کو "تین ہم سفر" نہیں نکلے بلکہ ان کے عین عقب میں مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کے "فرشتۂ رحمت" کے ہمراہ ایک اور کالبد بھی محو پرواز ہے، جو اول تو سید سلیمان ندوی صاحب کے موٹر کی رہنمائی میں سفر کرتا ہے، اور خیبر کی بلندیوں پر سے ہوتا ہوا عمیق اور بھیانک گھاٹیوں کو پار کرتا ہوا کابل پہنچتا ہے اور پھر دونوں بزرگوں کی جلوت و خلوت کی محفلوں میں بھی برابر شریک ہونے لگتا ہے، لطف یہ کہ وہ سب کو دیکھتا ہے لیکن اُسے کوئی نہیں دیکھتا،

جب جناب سید صاحب کی ملاقات شاہ نادر خاں مرحوم کے ساتھ ایک بند کمرہ میں ہوتی ہے تو گو "کمرہ میں جناب سید صاحب اور شاہ مغفور کے سوا کوئی دوسرا متنفس موجود نہیں ہوتا" تاہم ایک آنکھ ضرور ایسی ہے جو طرفین کے جملہ حرکات و سکنات کو کمال ہوشیاری کے ساتھ دیکھتی ہے اور ایک کان ضرور ایسا ہے جو طرفین کے اظہار مطالب کو پوری ہوش مندی کے ساتھ سنتا ہے،

جناب سرور خاں گویاؔ کا جب ذکر آتا ہے تو آنکھوں کے سامنے ایک سرخ و سپید وجیہ اور قوی الجثہ افغان آجاتا ہے جسے میں نے ابھی مشکل سے دو مہینے ہوتے ہیں، یونیورسٹی

اورینٹل کالج (لاہور) کے ایک عام اجلاس میں تقریر کرتے سنا تھا، صاحب موصوف نے پروفیسر شستری صاحب جو یونیورسٹی میں جدید فارسی ادب کے استاد ہیں، کی صدارت میں حضرت داتا گنج لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر ایک پرچہ فارسی زبان میں پڑھا تھا، اور بعد ازاں حاضرین کے اصرار پر اپنی ایک غزل بھی سنائی تھی (نشستہ خوش، شکستہ خوش وغیرہ - وہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ کابل کی انجمن ادبی کے صدر ہیں۔

اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے کی کوشش کرتے کرتے ذہن کی تربیت کچھ اس ڈھب پر ہو گئی ہے کہ اب کسی کتاب یا رسالے میں کوئی بات اگر اس خاص طرز خیال سے ذرا بھی ہٹی ہوئی نظر آتی ہے تو دماغ میں الجھن پیدا ہوتی ہے، اور تشویش ہوتی ہے کہ یا تو یہ بات اصلیت سے دور ہے یا اپنا انداز فکر ناقص ہے،

اپنے ذہن میں "اسلامی حکومت" اور "مسلمانوں کی حکومت"، "اسلامی ملک"، اور "مسلمانوں کا ملک"۔ "جنگ" اور "جہاد" وغیرہ ایک چیز کے دو نام نہیں ہیں، بلکہ ان میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ادھر حالت یہ ہے کہ جب مجھ ایسے کم علم لوگ آپ ایسے بزرگوں (جن پر قوم کو بجا طور پر ناز ہونا چاہیے اور ہے) کی گراں قدر تصانیف میں مذکورہ الفاظ کو متبادل اور مترادف طور پر استعمال ہوتا دیکھتے ہیں تو ذہن خواہ مخواہ الجھتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں جب اکثر مقاموں پر افغانستان کو "آزاد اسلامی ملک" اور "مسلمانوں کی جنگ" کو اسلامی جہاد لکھا دیکھتا ہوں تو طبیعت میں انقباض اور پریشانی پیدا ہوتی ہے، کیا آپ میری اس الجھن کو دور فرمانے کی زحمت گوارا کریں گے؟"

معارف: "سیر افغانستان" میری مرتبہ کتاب نہیں، بلکہ میرے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو افغانستان کے سفر سے واپسی کے بعد معارف میں بطور سفرنامہ لکھے گئے اور بعد کو میرے ایک ندوی

عزیز نے حیدرآباد دکن سے ایک کتاب کی صورت میں ان کو شائع کیا ہے،

بہرحال آپ نے اس کتاب کی دلچسپی اور دلپذیری کی جو مدح فرمائی ہے دل سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، تاخیر جواب ناگزیر اسباب کا نتیجہ ہے،

کتاب کے مطالعہ کے دوران میں "آزاد اسلامی ملک" اور "اسلامی جہاد" اور "مسلمانوں کے ملک" اور "مسلمانوں کی جنگ" کے درمیان اختلاط و التباس سے بے شبہہ آپ کے احساس دینی او اسلامی ذوق سیاسی کو صدمہ پہنچا ہوگا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت تک دونوں تصورات میں وہ فرق نمایاں نہ تھا جواب نظر آتا ہے، زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمالوں محاوروں اور اصطلاحوں میں بھی غیر محسوس فرق ہوتا چلا جاتا ہے، اور بہت دنوں کے بعد وہ فرق محسوس ہوتا ہے، چنانچہ یہ فرق خود میری پہلی اور پچھلی تحریروں میں بھی نظر آسکتا ہے، خدا کرے کہ یہ فرق صرف زبان ہی کا ہو کر نہ رہ جائے بلکہ دلوں میں بھی فرق پیدا ہو جائے، کہ واقعتہً ہماری زندگی اسلام کی زندگی اور ہماری حکومتیں اسلام کی حکومتیں بن جائیں،

لیکن اس باب میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ہم کو ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی غلو اور مبالغہ سے بچنا چاہیے، اور تصوریت ہم پر اس قدر غالب نہ آجائے کہ ہم واقعیت کو نظر انداز کر دیں، آخر مسلمانوں سے بسے ہوئے ملکوں کو خواہ وہ جیسے مسلمان بھی ہوں، اسلامی ملک کہیں تو اعتراض کیوں پیدا ہو، آج آئیڈیل اسلام اور آئیڈیل اسلامی مملکت کا وجود کہاں ہے، کیا کھٹے آموں کو آپ آم نہیں کہیں گے، اور اگر نہیں کہیں گے تو کیا آپ اس کو املی بتائینگے یا یہ کہیں گے کہ ابھی آم ہی نہیں ہوئے "س"

مولانا فضل حق خیرآبادی کے دو رسالے

مولوی سید نجم الحسن صاحب رضوی
محلہ میاں سرائے، قصبہ خیرآباد ضلع سیتاپور

"معارف" اکتوبر [illegible] میں "باغی ہندوستان" پر جناب کی تنقید نظر سے گزری، خاتم الکمار

مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کی تصانیف کے سلسلے میں "علمائے ہند" کی عبارت سے آنجناب کو رسالہ تشکیک اور کلی طبعی کی یگانگت کا جو شبہہ پیدا ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، یہ دونوں الگ الگ رسالے ہیں، کلی طبعی اور تشکیک دونوں معقولات کے اہم مسئلے ہیں جن کا اہمات مسائل میں شمار ہے، خطبہ ہدیہ سعیدیہ (جو ہدیہ کے ساتھ طبع ہوا ہے) میں علامہ کے شاگرد مولانا عبد اللہ بلگرامی نے تصانیف کا شمار حسب ذیل عبارت میں کرایا ہے،

ورسالۃ فی تحقیق الکلی الطبعی ورسالۃ فارسیۃ فی تحقیق التشکیک

دونوں کی زبانیں بھی جدا ہیں، رسالہ تحقیق کلی طبعی میرے پاس موجود ہے، ان میں سے کوئی بھی رسالہ طبع نہیں ہوا ہے،

معارف:- علامہ مرحوم کے ان رسالوں کے متعلق "تذکرہ علمائے ہند" اور "باغی ہندوستان" کے بیانوں میں جو تضاد تھا، اس تبصرہ میں اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا، راقم سطور کی نظر سے ان میں سے کوئی رسالہ نہیں گذرا تھا اس لیے لکھا گیا کہ "معلوم نہیں واقعہ کیا ہے"

آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے اس مکتوب گرامی کے ذریعہ اس مسئلہ کو صاف کر دیا، اور دونوں غیر مطبوع رسالوں کے متعلق واقفیت بہم پہنچائی، انشاء اللہ اس مکتوب کو شائع کر دیا جائے گا، تاکہ معارف کے ناظرین کے لیے بھی تصحیح کی خدمت انجام پا جائے۔ "ر"

کلیات شبلی
(اردو)

مولانا شبلی کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ، جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت:- عمر

مطبوعات جدیدہ

فرہنگ غالب مرتبہ جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی، ناظم کتب خانہ رامپور، حجم ۲۹۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ پتہ:- منیجر اشاعت خانہ، رام پور،

جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی کی سنجیدہ تالیفات اہل علم کے حلقہ مین وقعت سے دیکھی جاتی ہین، "فرہنگ غالب" اُن کی نئی تالیف ہے، جو اسی دقت نظر، وسعت مطالعہ، اور تلاش و تحقیق سے مرتب ہوئی ہے، جو اُن کی تصنیفات کی خصوصیات مین سے ہے، مرزا غالب ادب کے ساتھ فن لغت سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، برہان قاطع پر نقد کے سلسلہ مین قاطع برہان وغیرہ اُن کے معروف شاہکار ہین، نیز وہ ایسے قدیم فارسی الفاظ کا استعمال فخر سے کیا کرتے تھے، جو فارسی جاننے والون کے لئے عام طور پر اجنبی ہوتے تھے، اسی لئے حاشیہ اور ضمیمہ مین وہ خود ان لفظون کی تشریح بھی کر دیتے تھے، اسی طرح شاگردون اور ارادتمندون کے سوالون کے جواب مین اُن کے خطوط مین مختلف زبان کے لفظون کی تشریح مندرج ہے، لائق مرتب نے ان بکھرے ہوے جواہر ریزون کو جس بامیں ماخذ سے یکجا کیا، اور حروف تہجی سے فرہنگ غالب کے نام سے مرتب کیا ہے، اس طرح غالب کے استعمال کیے ہوے بہت سے لفظون کی تشریح خود ان کے قلم سے قلمبند ہو گئی ہے، اُن مین عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، ہندی اور اردو وغیرہ کے بہت سے الفاظ ہین، اور اُن کو جن ماخذ سے لیا گیا ہے، ان کا حوالہ دیدیا گیا ہے، اس طرح فن لغت مین گویا خود غالب کی ایک نئی کتاب مرتب ہو گئی ہے لائق مرتب نے مقدمہ مین فارسی قواعد اور لغت پر ہندوستانی اہل علم کی تصنیفات کا ایک سرسری

جائزہ بھی لیا ہے، امید ہے کہ اہل علم اس تصنیف سے فائدہ اٹھائیں گے،

نفسیاتِ جمال از مولانا ابو النظر صاحب رضوی امروہوی، ناشر اعلیٰ کتب خانہ، قرول باغ،
دہلی، حجم ۱۵۱ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت مجلد عہ

مولانا ابو النظر صاحب رضوی، دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، مولانا کی یہ تصنیف اگرچہ "نفسیات
جمال" سے منسوب کی گئی ہے، مگر دراصل اس کو اس کے موضوع کے اعتبار سے نفسیاتِ محبت کہنا چاہئے،
اس میں محبت کی واردات کو اس کے مختلف زاویوں سے دیکھ کر قلمبند کیا گیا ہے، ہمارے لائق دوست
پروفیسر سید احمد اکبرآبادی کے بقول جنھوں نے اس کتاب کا "تعارف" لکھا ہے، لائق مصنف "دیدہ ور
مسافر کی طرح ہیں، جو راستہ کی دلفریب وادیوں اور نظر نواز چمنستانوں کی ایک ایک دلفریبی کو
بنظر ستائش دیکھتا اور ان کی حسن کاریوں سے محظوظ و لذت اندوز ہوتا ہے" ہمیں اس کتاب پر
اندلس کے مشہور عالم دین علامہ ابن حزم ظاہری کی جو مذہب ظاہریہ کے بانی بھی ہیں، کتاب طوق
الحمامہ فی الالفۃ والالاف یاد آئی، موضوع کی یگانگی سے دونوں کے عنوانات وابواب میں مشابہت موجود
ہے، لیکن عرب اور ہندوستانی "دیدہ وروں" کی نگاہوں میں جو فرق ہوسکتا ہے، وہ ان دونوں کتابوں
میں موجود ہے، لائق مصنف نے محبت اور زندگی، "محبت اور شباب" اسی طرح ...... اور عزم داراہ
تیرنی ناکامی، خودکشی، رد عمل، شکایت، شکست، غرور، خودستائی، رسوائی، وفاداری، بدگمانی، شکوہ،
رقیب، رعب حسن، بوسہ، شاعری، اور وصل کے عنوانوں سے محبت کے واردات، جذبات، اور کیفیات
کی ترجمانی کی ہے، ترجمانی کا حق ادا ہوا ہے کہ نہیں، اس کا صحیح فیصلہ اس کوچہ کے رہروی کرسکتے ہیں،

عشقِ جہانگیر از جناب خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی حجم ۲۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی،
لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سے رعہ پتہ :- مکتبہ ادب لال کنواں دہلی،

خواجہ محمد شفیع دہلوی کا قلم دلی کی ستھری اور پاکیزہ زبان اور دلآویز طرز ادا میں گلکاریاں

کرنے میں روشناس ہے، ان کی نئی کتاب عشق جہانگیر کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں جہانگیر
اور نور جہاں کی داستان کو عاشقانہ رنگ میں آغاز عشق سے اس کے انجام تک قلمبند کیا گیا ہے، ان
اس تیموری شہزادے کے جاں نثاروں کی آبدار تلواروں کے جوہر شہزادے کی عشق بازی کو
کامیاب بنانے اور ابو الفضل کو راہ سے ہٹانے میں دکھائے گئے ہیں، کاش خواجہ صاحب نے اپنا
موضوع اس تیموری شہزادے کے عشق کی داستان کو نہ بنایا ہوتا کہ افسانہ نویسی میں وہ یہ نہ
دیکھ سکتے تھے کہ اس مسلمان تاجدار کا دامن اخلاق کہاں کہاں آلودہ ہوتا ہے، اور کیسے کیسے سنگین
جرائم کا وہ مرتکب دکھائی دیتا ہے، بہت سی ایسی داستانیں جن کی تردید کے لئے مورخین نے زور قلم
صرف کیا تھا، وہ اس فسانہ میں اس انداز سے قبول کی گئی ہیں، کہ وہ فطری واقعات معلوم ہوتے
ہیں، اس لئے اگر ہم جناب خواجہ صاحب کو اس تصنیف کی تمام تصنیفی خوبیوں اور مرتب داستان سرائی
کے باوجود اس داستان کے تصنیف کرنے پر مبارکباد نہ دے سکیں، تو امید ہے کہ وہ ہمیں معذور
تصور فرمائیں گے۔

افکارِ آتشیں از جناب حافظ فضل الرحمن صاحب بزمی ناشر علمی بک ڈپو مقیم گنج بنارس،
چھپی تقطیع حجم ۱۲۱ صفحے قیمت :- عمر

افکارِ آتشیں جناب بزمی بنارسی کی ایسی نظموں کا مختصر مجموعہ ہے، جس میں صحیح اسلامی عقائد
و تعلیمات کو حسن و خوبی سے پیش کیا گیا ہے، اور مغرب زدہ ذہنیت اور جدید تہذیب کے مخرب
اخلاق لوازم کا مضحکہ اڑایا گیا ہے، جناب بزمی نے اپنی شاعری سے عقائد کی اصلاح اور دین
کی تبلیغ کی خدمت انجام دی ہے، ان کی یہ روش دوسرے نوجوان شعراء کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے،
امید ہے کہ یہ مجموعہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

شیطان مترجم جناب حبیب اشعر صاحب دہلوی حجم ۱۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۸/

پتہ :- رائل ایجوکیشنل بک ڈپو ، دہلی ،

یہ جبران خلیل جبران کے دس مختصر افسانوں کے مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے ، افسانون مین مصری ماحول روایات اور طرز ادا کا رنگ غالب ہے ، ترجمہ کو زیادہ سلیس اور روان ہونے کی ضرورت تھی ،

جمال الدین افغانی از جناب سجاد علی صاحب حجم ۱۶ صفحے قیمت : ۲ر

مولانا روم از مولوی عبد الحفیظ صاحب قدوائی ندوائی حجم ۲۴ صفحے قیمت ۳ر

حضرت اُسامہؓ از مولوی صلاح الدین صاحب ندوی حجم ۳۶ صفحے ، قیمت ۴ر

حضرت طلحہؓ از مولوی مشیر الحق صاحب بحرآبادی ″ ۳۰ ″ ″ ۴ر

ناشر مکتبہ تعلیمات اسلامی نمبر ۲۰ امین آباد پارک لکھنؤ

ان رسالون مین ان بزرگون کے مختصر سوانح حیات آسان زبان مین بچون کے لئے لکھے گئے ہین ، ادارہ تعلیمات اسلام اپنے محدود دائرہ مین بچون کی تعلیم و تربیت اور دماغی نشو و نما کے لئے قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کی کوششون کو بارآور فرمائے ،

ایک ویران وادی مین پہلا قافلہ ،
عورت کا خزینہ ،
اذانِ دعوتِ حق ،
} از جناب نعیم صدیقی حجم بہ ترتیب : ۳۱ ، ۲۲ ، اور ۲۱ صفحے ، قیمت بہ ترتیب ۵ر ، ۴ر ، ۴ر تقطیع چھوٹی ، لکھائی جلی ، ناشر ، مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنچل گوڑہ ، حیدرآباد دکن ،

یہ تین تحریک اقامت دین کے سلسلہ مین لکھی گئی ہین ، پہلے رسالہ مین ایک ویران وادی مین دین کے احیا ، کی تحریک چلانے والے " قافلہ " کو اترتے دکھایا گیا ہے " عورت کا خزینہ " مین عورت کو مغرب نے جہان لا کر کھڑا کیا ہے اس کو اس کا مقام دکھا کر صحیح راستہ پر آنے کی دعوت دی گئی ہے ، " اذان دعوتِ حق " مین حق کی طرف بلایا گیا ہے ،

" س "

جلد ۶۰ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء عدد ۶

مضامین